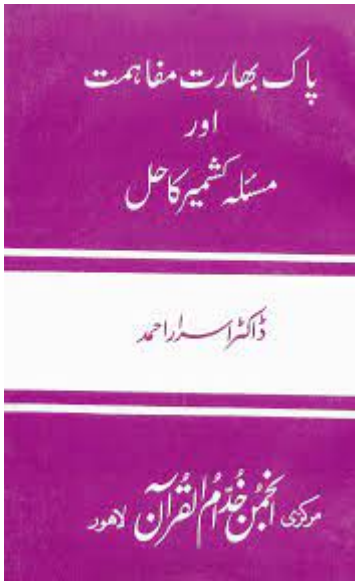


پاک بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر کا حل

ڈاکٹر اسرار احمد

پاک بھارت مفاہمت

اور مسئلہ کشمیر کا حل

1

ہندو مسلم منافرت کی تاریخ اور اسباب کا تجزیہ، اُس کے ازالے کی اہمیت، اور پاکستان اور بھارت کے مابین مسلسل حالتِ جنگ کے سب سے بڑے سبب، یعنی مسئلہ کشمیر کا منصفانہ حل۔

2

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف

پاکستان اور بھارت نے بلآخر باہمی مفاہمت کی ضرورت محسوس کر لی، اور تازہ اطلاعات کے مطابق پاک بھارت مربوط مذاکرات ماہ رواں میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والے ہیں ۔ غیر ملکی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ۵۶ برس دونوں ملکوں کی باہمی مخاصمت وعداوت میں گزر گئے ہیں ۔ اچھے پڑوسیوں کے سے خوشگوار تعلقات کی راہ میں بہت سے حقیقی عوامل اور نفسیاتی حجابات حائل رہے ہیں لیکن بلاشبہ کشمیر کا تنازعہ اصولی اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے گزشتہ ماہ اسلام آباد میں سارک کانفرنس کے موقع پر دونوں ملکوں کے رہنماؤں نے باہمی مفاہمت کے ساتھ ساتھ کشمیر کے مسئلے پر مذاکرات کا فیصلہ کیا ۔ مذاکرات پہلے بھی کئی بار ہو چکے ہیں لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا ۔ ہمیشہ یہ سوال حائل رہا کہ مفاہمت ہو تو کیونکر ہو؟ اور اب بھی یہی سوال جوں کا توں موجود ہے

۔اس اہم اور بنیادی سوال کا قابل عمل اور حقیقت پسندانہ حل تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد نے آج سے دس سال قبل دانشور دانیال لطیفی صاحب کی ایک تحریر کے جواب میں ایک طویل مضمون پیش کر دیا تھا جو روزنامہ جنگ لاہور کی اشاعت 22 اپریل 1994 میں شائع ہوا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون پر ایک تنقیدی تحریر دو قسطوں میں پروفیسر محمد یوسف عرفانی صاحب نے روزنامہ جنگ کی اشاعت بابت 16 اور 17 مئی 1994 میں چھپوائی ۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تنقید کا جواب نئے دلائل کے ساتھ دیا ۔ ڈاکٹر صاحب کے یہ دونوں مضامین ماہنامہ میثاق کے شمارہ جولائی 1994 ء میں شائع ہوئے تھے ۔ان مضامین میں جو موضوعات زیر بحث آئے تھے وہ استفہام کی بھی حیثیت رکھتے اور استدلال کی بھی مثلاً یہ کہ تقسیم ہند برطانوی منصوبے کا نتیجہ ہے یا الٰہی تدبیر؟ یہ کہ پاک بھارت تعلقات میں جو کشیدگی روزِ اوّل سے موجود ہے وہ انگریز کی گھناؤنی سازش کا نتیجہ ہے ۔ یہ کہ پاک بھارت مفاہمت کیوں ضروری ہے۔ یہ کہ مسئلہ کشمیر کا حل کیا ہو سکتا ہے۔

اب پاکستان کے مابین باہمی مفاہمت و مصالحت اور مسئلہ کشمیر کہ حل پر بھی مربوط مذاکرات ہونے والے ہیں اور یہ کوئی ایک دن کی بات نہیں آئندہ بھی ہوتے رہیں گے لہٰذا ضروری محسوس ہوا کہ دس سال پہلے دونوں پڑوسی ملکوں میں مفاہمت و مصالحت کو میثاق کے اوراق سے نکال کر ایک کتابچہ کی صورت میں یکجا کر کے شائع کیا جائے ۔نیز 1994 کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنی کانفرنسوں میں جو بیانات اس سلسلے میں دیتے رہے ہیں وہ بھی اختصار کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کر لیئے جائیں۔چنانچہ اس کتابچہ میں ڈاکٹر صاحب کی مندرجہ ذیل تحریریں اور بیانات یکجا ہونگے ہیں ۔

(1) تقسیم ہند: برطانوی منصوبہ یا الٰہی تدبیر؟
اور پاک بھارت کشیدگی : انگریز کی گھناؤنی سازش
(مطبوعہ 22 اپریل 1994 ء روزنامہ جنگ و ماہنامہ میثاق لاہور جولائی 1994)
(2) پاکستان کا قیام :برطانوی سازش یا خدائی تدبیر؟
(پروفیسر سید محمد یوسف عرفانی صاحب کی تحریر کے جواب میں)
(3) پاک بھارت کشیدگی انگریز کی گھناؤنی سازش
(4) پاک بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر کا حل
(5) ضمیمہ بابت مسئلہ کشمیر اور اس کا حل :
(ا) بیان پریس کانفرنس 25 اکتوبر 1995 ء
(ب) بیان اقتباس از خطاب جمعہ ۔4 فروری 2000 ء
(ج) بیان پریس کانفرنس ۔10 جولائی 2001 ء

(د)سید شہاب الدین ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف انڈیا
کے تائیدی معاملے کا عکس ۔17فروری 2000 ء
(9)اینڈورا
7فروری2004ء
سیدقاسم محمود
مدیراعلی شعبہ مطبوعات ،قرآن اکیڈمی

---

(1)
تقسیم ہند: برطانوی منصوبہ یا الٰہی تدبیر؟
اور
پاک بھارت کشیدگی: انگریز کی گھناؤنی سازش

روزنامہ جنگ لاہور کی 23 / مارچ 1994 ء کی اشاعت میں صفحہ اول پر تین کالمی سرخی کے ساتھ ایک بھارتی مسلمان دانشور دانیال لطیفی صاحب کی بعض آراء پر مشتمل خبر شائع ہوئی تھی جس کی جلی سرخی یہ تھی کہ : قائد اور گاندھی متحدہ ہندوستان چاہتے تھے انگریز نے تقسیم پر مجبور کر دیا ! اس کے بعد ذیلی سرخی یہ تھی کہ : کہ کشیدگی ختم کرنے کے لئے وہ زہر نکالا جائے جو انگریزوں نے دو سو سال پہلے انجیکٹ کیا تھا !قائد اعظم کے قریبی ساتھی اور 1940ء کے منشور کے مصنف سے خصوصی انٹرویو ۔اس کے بعد نیوز رپورٹر کے حوالے سے خبر کا پورا متن حسب ذیل تھا:

مسلم لیگ کے 1940 ء کے منشور کے قریبی ساتھی دانیال لطیفی نے کہا ہے بر صغیر کے وائسرائے لارڈماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی تقسیم میں بندر بانٹ کی تاکہ دونوں ملک آپس میں لڑتے مرتے رہیں اور اس وقت کی سپر پاور برطانیہ دوبارہ ہندوستان پر قابض ہوجائے ۔ برطانیہ کے زوال کے باعث اگر چہ ماؤنٹ بیٹن کا خواب پورا نہ ہوسکا لیکن دونوں ممالک کے سیاسی لیڈر اپنے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے عوام کو گمراہ کرتے رہے ۔ حقیقت

کچھ اور تھی اور بتایا کچھ اور جاتا رہا۔وہ مسلم لیگی رہنما عمر قصوری کی صاحبزادی اور سابق وفاقی وزیر خورشید قصوری کی بھتیجی کی رسمِ حنا کے موقع

5

پر جنگ کے انجم رشید رمان احسان اور امین حفیظ پر مشتمل خصوصی پینل کو انٹرویو دے رہے تھے ۔ 77 سالہ بیرسٹر دانیال لطیفی نے کہا کہ ہندوستان کی تقسیم سے قائد اعظم اور گاندھی دونوں خوش نہ تھے مگر دونوں بے بس تھے اور یہ تقسیم قبول کرنے پر مجبور تھے ۔ دونوں لیڈر متحدہ آزاد ہندوستان چاہتے تھے لیکن انگریزوں نے حالات ہی ایسے بنادیئے ۔ ایک سوال پر انہوں نے کہا قائد اعظم اسلامی سیکولر پاکستان چاہتے تھے جس میں مکمل جمہوریت ہو اور تمام مذاہب کے لوگوں کو مکمل آزادی ہو ۔ انہوں نے کہا سیکولر کا آئیڈیا اسلام سے لیا گیا ہے اور قائد اعظم اس سلسلہ میں حدیث پر یقین رکھتے تھے ۔ترجمہ: مظلوم کی پکار سے ڈرو چاہے وہ کافر کیوں نہ ہو ۔انہوں نے کہا انڈیا اور پاکستان میں کشیدگی ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس زہر کو نکالا جائے جو انگریزوں نے دو سو سال کے دوران دونوں قوموں کی رگوں میں انجیکٹ کیا ہے ۔دونوں ملک متحد ہوں یا نہ ہوں نفرتوں کی دیوار ختم ہونی چاہیئے ۔ انہوں کہا میں قیام پاکستان کے وقت ہجرت کے حق میں نہ تھا ۔ اس موقع پر ہونے والے لاکھوں افراد کی قتل و غارت کا ذمہ دار ماؤنٹ بیٹن تھا ۔ اس نے بد معاشی کی ہجرت کے بارے میں لارڈ ویول کے پلان کو تبدیل کر دیا ۔

اگر چہ نبی اکرم ﷺ کا قول مبارک تو یہ ہے کہ :یہ نہ دیکھا کرو بات کہنے والا کون ہے بلکہ یہ دیکھا کرو کہ اس نے کہا کیا ہے ! تا ہم اس کی قسم کی آراء کو جیسی کہ اس انٹرویو میں سامنے آئی ہیں اس مسلمہ قانون کے ذیل میں شمار کیا جانا چاہیئے کہ بعض حالات میں استثنائی مثالوں سے قاعدہ کلیہ مزید ثابت اور محکم ہوجاتا ہے لہذا ا ن حالات سے تبصرہ کرنے سے قبل صاحب رائے کی شخصیت کا کس قدر تعارف حاصل کرنا ضروری ہے۔ خاص طور پر اس لئے کہ پاکستان کے عوام کی عظیم اکثریت نے یہ نام پہلی بار سنا ہے ۔ چنانچہ خود میرا اپنا حال یہ ہے کہ اگر چہ میں 47۔1946ء کے دوران کے اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا رکن تھا یہاں تک کہ 1946ء میں فیڈریشن کا جو اہم اجلاس حبیبیہ حال اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں منعقد ہوا تھا جس سے

6

قائد اعظم نے بھی خطاب فرمایا تھا:اس میں ضلع حصار سے شرکت کرنے والے دو مندوبین میں سے ایک میں تھا اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ دانیال لطیفی صاحب سے بالکل واقف نہ تھا ۔تاہم چونکہ ان کی باتیں کم از کم قابل غور ضرور نظر آئیں لہذامیں نے ان کے بارے میں معلومات کچھ تو سینئر صحافی عبدلکریم عابد صاحب سے حاصل کیں اور مزید لطیفی صاحب کے میزبان جناب عمر قصوری صاحب سے ۔چنانچہ ان کی آراء پر تبصرے سے قبل انکی شخصیت کے بارے میں ان معلومات میں سے بعض کو قارئین کے علم میں لانا مناسب سمجھتا ہوں۔

میرا گمان تھا کہ جب لطیفی صاحب قصوری خاندان کی ایک شادی میں بھارت سے پاکستان تشریف لائے تو یقیناً اس خاندان کے ساتھ ان کا عزیز داری کا تعلق ہوگا لیکن معلوم ہوا کہ میرا یہ اندازاہ غلط ہے ۔ اور معاملہ صرف اتنا ہے کہ ان کی نہایت گہری دوستی میا ں محمود علی قصوری مرحوم کے ساتھ تھی جو انہیں ان کی پوتی کی شادی کے لئے کھینچ لائی ۔ ان کی والدہ ڈاکٹر عالما لطیفی برٹش انڈیا کے اوّلین ہندوستانی (اور وہ بھی مسلم !) فنانشل کمشنر تھے جو کچھ دیر پنجاب کے ایکٹنگ گورنر بھی رہے تھے ۔ خود دانیال صاحب پکے اور سچے مارکسسٹ تھے۔ اور نہایت اعلیٰ تعلیم کے حصول حتیٰ کہ انگلستان سے بیرسٹری کی تکمیل کے بعد انہوں کل تیس روپے ماہانہ مشاہرے پر کمیو نسٹ پارٹی آف انڈیا میں ایک ہمہ تن کارکن کی حیثیت سے کام کیا ۔ پھر جب عالمی کمیونزم کی سطح پر فیصلہ ہوا کہ ہندوستان کہ مسلمان کمیونسٹ مسلم لیگ میں اور تحریک پاکستان میں شامل ہو جائیں تو پارٹی ڈسپلن کی پابندی کرتے ہوئے وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اس وضاحت کے ساتھ جب آپ ہمیں بھیج رہے ہیں تو ا ب ہم وہاں پوری نندہی اور مسلم لیگ کے نظم کی پابندی کے ساتھ کام کریں گے ۔ چنانچہ اپنی خداد صلاحیت و ذہانت اور ایثار و محنت کی بنا پر دانیال صاحب قائد اعظم کے قریبی رفقائے کار کے حلقے میں شمار کئے جانے لگے جس کا نمایاں مظہر یہ ہے کہ 1946 ء میں عام خطاب سے قبل مسلم لیگ کا منشور تیا ر ہوا اس کے ضمن میں جیسا کہ

اخباری خبر میں بھی وضاحت ہے (اگر چہ وہاں 1946 ءکی بجائے غلطی سے 1940 ءچھپ گیا !)انہوں نے میا ں ممتاز محمد خان دولتانہ وغیرہ کے ساتھ مل کر اہم خدمت سر انجام دی ۔

تقسیم ہند سے قبل بمبئی میں ہندو مسلم فسادات ہوئے تو انہیں وہاں فسادات کی روک تھام اور با لخصوص ریلوے کے مسلمان ملازمین کی حفاظت اور امداد کے لئے بھیجا گیا تھا ۔قیام پاکستان کے بعد جب انہوں نے واپس لاہور آنے کا ارادہ کیا تو ممبئی کے مسلمانوں نے ان سے وہیں قیام کرنے کی درخواست کی جو انہوں منظور کر لی ۔ بنا بریں وہ مستقل طور پر بھارتی شہری بن گئے بعد ازاں وہ دہلی منتقل ہو گئے اور اب وہ نئی دہلی میں سپریم کورٹ آف انڈیا میں وکالت کرتے ہیں ۔ اور نہ صرف یہ کہ بر عظیم پاک وہند کے بگڑتے ہوئے حالات پر سخت مضطرب رہتے ہیں ۔ بلکہ آر ایس ایس بی جے پی اور ایچ ایس قسم کی ہندو فنڈ امنٹلسٹ تحریکوں سے بھارت میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کو جو شدید خطرات لاحق ہیں ان کے بارے میں بہت پریشان اور مفکر ہیں ۔ کمیونزم کے ضمن میں ان کا رجحان اس کے چینی برانڈ کی جانب رہا ۔اور بھارتی بنگال کے موجودہ کمیونسٹ وزیر اعلیٰ جیوتی باسو ان ہی کے رفیق اور تربیت دادہ ہیں ۔ تاہم اب جبکہ عالمی کمیونزم اور سوشلزم کی عمومی موت واقع ہو چکی ہے ان کے نظریات میں بھی اعتدال پیدا ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم !

صاحب رائے کے بارے میں اس وضاحت کے بعد آئیے ان کی آراء کے حسن و قبح اور صواب و خطا

لی جانب ۔اس سلسلے میں پہلی با ت یہ ہے کہ دنیا میں صد فی صد حق اور درست بات یا تو صرف اللہ کے اپنے کلام یعنی قرآن کی ہو سکتی ہے یا اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کی بشرطیکہ اس کی نسبت آنجناب کی جانب درست ہو ۔باقی ہر بات میں نہ صرف یہ کہ خطاو صواب اور صحیح یا غلط کا امکان بہر حال موجود ہوتا ہے بلکہ اکثر وبیشتر معاملات میں بیک وقت دونوں ہی پہلو موجود ہوتے ہیں صرف اس فرق کے ساتھ کہ کہیں تو خطاب اور صواب اور درستی کا عنصر غالب ہوتا ہے اور خطایا غلطی کا پہلو انداز کئے جانے کے قابل ہونے کی حد تک

لم اور کہیں باطل کا عنصر غالب رہتا ہے اور حق کا حصہ صرف اس قد ر کہ باطل اس کا سہارا لے کر کھڑا ہو سکے ۔ اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے جناب دانیال لطیفی کی جو آراء محولہ بالاخبر میں رپورٹ ہوئی ہیں ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے اور ان کا گہرا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ ان میں بحیثیت مجموعی تو حق و باطل تقریباً برابر شامل ہیں تاہم ایک گفتگو کا اصل حاصل اور مقصود بالکل درست ہے یعنی یہ کہ بھارت اور پاکستان اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان منافرت کے کم از کم اس اضافی حصے کو تو زائل کرنے کی کوشش کی جائے جو انگریز نے اپنی سیاسی مصلحت کے تحت پیدا کیا تھا ۔اور دوسرے تقسیم ہند کے اسباب کے ضمن میں بھی اس کے باوجود کہ ان کی بعض آراء پاکستان کے عوام ہی نہیں اچھے بھلے پڑھے لکھے بلکہ دانشور شمار ہونے والے لوگ یقیناً نا مانوس اور عجیب لگی ہونگی لیکن ہیں بہت حد تک صحیح ! صرف اس صراحت کے ساتھ کہ ان میں کچھ واقعاتی خلا بھی موجود ہے اور دوسرے ایک ماورائی حقیقت سے کلی طور پر صرف نظر کر لیا گیا ہے اور یہ دوسری بات ایک ایسے شخص کے لئے بالکل قرین قیاس ہے جس کے ذہن پر مارکس کی جدلی مادیت کا غلبہ رہا ہو ۔

چنانچہ جہاں تک گاندھی جی سمیت تمام ہندو لیڈروں یہاں تک کہ جملہ ہندو عوام کا تعلق ہے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ہندوستان کی تقسیم انہوں نے بادل نخواستہ بلکہ مجبوراً ہی تسلیم کی تھی ۔بلکہ ان کے اذہان اور قلوب نے اسے تاحال بھی قبول نہیں کیا ہے۔خاص طو ر گاندھی جی کا یہ قول تو تقسیم ہند سے چند ہفتے قبل کا ہے کہ پاکستان میری لاش پر بن سکتا ہے ! لہذا اس ضمن میں نہ کسی اختلاف کی گنجائش ہے نہ بحث کی ضرورت ۔

خود قائد اعظم کے بارے میں دو باتیں تو قطعی مسلّم ہیں یعنی ایک یہ کہ وہ طویل عرصے تک کانگریس میں شامل رہے تھے اور ایک زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے سفیر اور پیغامبر قرار دیئے جاتے تھے اور دوسرے یہ کہ 1946 ء میں انہوں نے کیبنٹ مشن پلان کو قبول کر لیا تھا جس کی رو سے ایک علیحدہ اور آزاد پاکستان

کے قیام کا معاملہ کم از کم دس سال کے لئے مؤخر ہو گیا تھا۔

ان دو نا قابل تردید حقائق کے مابین 1941ء میں قرار داد پاکستان کی منظوری اور پھر اس کے مطابق تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی عظیم جدّ جہد میں جو ذاتی اور فیصلہ کن حصہ قائد اعظم کا رہا اس کے ضمن میں یہ بات تو کم از کم مسلما نانِ پاکستان مین مشہور و معروف ہی نہیں بلکہ تقریباً متفق علیہ ہے کہ اس کا اصل سبب قائد اعظم کی ہندو ذہنیت سے مایوسی بیزاری تھی ان سے کسی انصاف کی توقع نہیں رکھی جا سکتی اور یہ رائے انہوں نے اپنے ذاتی تجربات کی بنیاد پر قائم کی تھی اور اس بناء پر وہ ہر صورت میں تقسیم ہند ہی پُر مصر اور جازم تھے لیکن ایک دوسری رائے بھی پیش کی جاتی رہی ہے کہ قیام پاکستان اور تقسیم ہند کا مطالبہ اصل میں ہندو قیادت کے ساتھ سیا سی سودے بازی کا مظہر تھا ۔ اورقائد اعظم ذہناً اور قلباً کسی بھی ایسی صورت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو سکتے تھے جس میں ہندوستان کی وحدت برقرار رہتی اور مسلمانان ہند کے حقوق کا مناسب تحفظ بھی ہو جاتا ۔ اس مؤخر الذکر رائے کی تائید میں ایک بات جو گزشتہ سال اتفاقاً میرے علم میں آئی یہ ہے کہ جنوری ۱۹۹۳ء میں جب میں امریکہ جارہا تھا تو ہوائی جہاز میں میری ملاقات پروفیسر اقبال احمد صاحب سے ہوئی جو امریکہ کی کولمبیایونیورسٹی میں پولٹیکل سائنس کے استاد ہیں امریکہ کی دوسری یونیورسٹیوں ہی نہیں دور دراز کے ممالک میں بھی سیاسی و علمی موضوعات پر خطبات کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں ۔ (ان کا تعلق اچھرہ لاہور کےذیلدار خاندان سے ہے !) انہوں نے بتایا کہ ان کے علم میں ایسے دستاویزی ثبوت موجود ہیں کہ ۱۹۴۶ء ہی میں قائد اعظم نے ریاست کلو (جو اب بھارت کے ہما چل پردیش میں شامل ہے) میں خاصا وسیع رقبہ خرید فرمایا تھا تاکہ اسے ایک سیاحت کے مقام کی حیثیت سے بھی ترقی دیں اور وہیں اپنے لئے ایک رہائش گاہ بھی تعمیر فرمائیں ۔گویا اس وقت تک قائد اعظم تقسیم ہند کو کوئی حتمی اور شدنی بات نہیں سمجھتے تھے ۔

10

تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے ضمن میں بیرسٹر دانیال لطیفی صاحب کا نظریہ دو حصوں پر مشتمل ہے یعنی : ایک یہ کہ نہ گاندھی جی اسے پسند کرتے تھے اور نہ قائد اعظم اور چونکہ یہی دو شخصیتیں انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ میں فیصلہ کن حیثیت کی حامل منصب پر فائز تھیں لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان کی تقسیم کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کی نا پسندیدگی کے علی الرغم جبراً مسلط کی گئی ۔ لطیفی صاحب کے نظرئیے کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جبرا نگریزوں کی جانب سے ہوا اور ہندوستان کی یہ جبری تقسیم ہمارے سابق حکمرانوں نے اپنے مذموم مقصد یعنی ہندوستان پر دوبارہ قابض ہونے کے لئے کی تھی !

ان میں سے پہلی بات کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کرتے ہوئے دوسرے حصے پر غور کیا جائے تو ہر گز کوئی شک نہیں کہ بر عظیم کی تقسیم اوررر اس کے نتیجے میں پاکستان کے قیام میں ایک جزوی اور بالواسطہ عامل کی

حیثیت سے انگریزوں کی لڑاؤ اور حکومت کرو ! (Divide and rule) کی حکمت عملی کا کسی نہ کسی حد تک عمل دخل موجود تھا لیکن اسے کلی حقیقت یا واحد سبب قرار دینے کے لئے ایک جانب تو مثبت شواہد ہونے کی ضرورت ہے وہ موجود نہیں ہیں ۔ اور دوسری جانب جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا تھا ایک اہم واقعاتی خلا بھی اس کی راہ میں حائل ہے ۔ یہ بات تو یقیناً اظہر من الشمس ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کا اصل سبب ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین بڑھتی ہوئی بد اعتمادی اور نفرت تھی ۔ البتہ اس باہمی منافرت اور بد اعتما دی کے بارے میں جہاں یہ کہنا غلط ہے کہ یہ کل کی کل انگریزوں کی پیدا کردہ تھی وہاں یہ کہنا بھی حقائق سے گریز کے مترادف ہے کہ اس کی شدت اور گہرائی و گیرائی میں کوئی اضافہ انگریزوں کی مذکورہ بالا حکمت عملی سے نہیں ہوا۔

جہاں تک اس لڑاؤ اور حکومت کرو کی حکمت عملی کا تعلق ہے وہ اولاً تو بجائے خود حاکم و قابض اقوام کے مسلّمہ ہتھکنڈوں میں سے ہے جو علامہ اقبال نے سورۃ النمل کی آیت 34 کے حوالے سے بیان کئے ہیں یعنی ؎

11

آبتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ اِنَّ الملوکَ
سلطنت اقوام کی اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس حکمراں کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں ساز دلبری

ثانیاً اس کے ضمن میں حقائق و شواہد کا کافی مواد بھی خان عبد الولی خان صاحب انڈیا آفس کے ریکارڈ کی چھان بین اور تحقیق و تفتیش کے ذریعے وقتاً فوقتاً فراہم کرتے رہے ہیں ۔

بد قسمتی سے ہمارے ملک کے بعض دانشوروں نے ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین نفرت کے چلتے ہوئے جھگڑے اور بد اعتمادی کی اٹھتی ہوئی آندھی کے ایک سبب کو اس درجے اچھالا ہے اور اس شدت کے ساتھ تحریر و تقریر کا موضوع بنایا ہے کہ دوسرے جملہ عوامل نگاہوں سے اوجھل ہو کر رہ گئے ۔ چنانچہ عوام کے اذہان میں اس پوری صورت حال کے واحد سبب کی حیثیت صرف ہندوؤں کی عمومی چھوت چھات برہمنوں کے سامراجی مزاج اور بنیوں کی چاپلوسانہ عیاری کی ذہنیت کو حاصل ہو گئی ہے ۔ چنانچہ ایک جانب یہ پہاڑ جیسی عظیم حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہے کہ ہندو معاشرہ صرف برہمنوں اور بنیوں ہی پر مشتمل نہیں

ہے بلکہ اس میں راجپوت اور شودر بھی موجود ہیں جو اپنا اپنا جداگانہ مزاج رکھتے ہیں مزید برآں خود برہمنوں اور بنیوں میں بھی ے نہ ہر زن زن است و نہ نہ ہر مرد مرد۔۔۔۔۔ خدا پنج انگشت یکساں نہ کرو ! کے مصداق ہر مزاج اور کردار کے لوگ موجود ہیں اور دوسری جانب ان دو اہم عوامل سے تو کامل ذہول ہوگیا جن میں سے ایک کا تعلق ماضی بعید اور خود مسلمانوں کے اپنے کردار سے ہے اور دوسرے کا ماضی قریب اور انگریزوں کے کردار سے !
ان مقدم الذکر سے۔ صرف۔ نظر اور غض۔ بصر کا معاملہ تو ے

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں
اچھا کیا جو فراموش کر دیا !

کے عین مطابق ہے اس لئے کہ اس تلخ حقیقت کا اعتراف بہت مشکل ہے کہ ہم مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنی ہزار سالہ حکومت کے دوران اکثر و بیشتر وہی اقوام غالب والا کردار اختیار کیا تھا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے ۔اور نہ صرف یہ کہ اپنے ان فرئض کو تو سرے سے ادا ہی نہیں کیا تھا جو امت مسلمہ اور امت محمد(علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہونے کی حیثیت سے ہم پر عائد ہوتے تھے یعنی اللہ کے پیغام کی دعوت اور اسلام کے عادلانہ نظام۔ زندگی ااور دین حق کے نظام عدل و قسط کے قیام کے ذریعے خلق خدا پر اللہ کی رحمانیت و رحیمیت اور محمد رسول ﷺ کی رحمۃ اللعالمینی کا عملی مظاہرہ اور اس طرح اللہ کے رسول ﷺ کی جانب سے ہندوستان میں بسنے والوں پر اتمام حجت ! بلکہ بہت سے حکمرانوں نے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ قائم رکھنے کے علاوہ ذاتی عیاشی اور ابو الہوسی کے وہ جملہ انداز اختیار کئے جو ہمیشہ سے ملوکیت اور بادشاہی کے لوازم میں سے رہے ہیں اور ان سب کی بناء پر ہندوؤں میں عمومی طور پر وہ انتقامی جذبہ موجود تھا جو سقوط ڈھاکہ کے حادثہ فاجعہ کے موقع پر "ع" نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں ! کے مطابق فتح مندی کی سرمستی میں پنڈت موتی لال نہرو جیسے المشرب انسان کی پوتی اور جواہر لال نہرو جیسے سیکولر اور سوشلسٹ مزاج کے حامل شخص کی بیٹی مسز اندرا گاندھی کے منہ سے نکلنے والے ان الفاظ سے ظاہر ہو گیا کہ :
ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا لیا ہے !
بہر حال وہ آگ جو ان دو عوامل یعنی برہمن اور بنیا ذہنیت اور مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کے رد۔ عمل نے بھڑکائی تھی اس پر تیل کا کام یقیناً اس تیسرے عوامل یعنی انگریزوں کی حکمت عملی نے سر انجام دیا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے تو ٹھیک وہی کام کیا جو سورۃ النمل لی آیت 34 میں بیان ہوا ہے یعنی مفتوح قوم کے اعلیٰ طبقات کو ادنیٰ (اور ادنیٰ کو اعلیٰ)بنا دیا جائے چنانچہ ہمارے سابق حکمرانوں نے سوائے پنجاب اور سرحد

کے باقی پورے ہندوستا ن میں مسلمانوں کو دبایا اور ہندوؤں کو ابھارا ۔ اور پھر ان دونوں کے مابین چپقلش کو مسلسل ہوادی اور نفرت اور بے اعتمادی کے جراثیم کو پروان چڑھایا جسے دانیال لطیفی صاحب نفرت کو انجیکٹ کرنے سے تعبیر کر رہے ہیں !

بہر حال اس عامل کی حدتک تو تقسیم ہند کے ضمن میں انگریزوں کا حصہ لازماً تسلیم کیا جانا چاہیے لیکن اسے واحد یا سب سے فیصلہ کن عامل قرار دینا ہر گز صحیح نہیں ہے جیسا کہ دانیال صاحب کے خیالات سے ظاہر ہوتا ہے ۔ اور اس کی راہ میں جو سب سے بڑا واقعاتی خلا حائل ہے وہ یہ کہ انگلستان میں دو جماعتی پارلیمانی جمہوریت قائم تھی جس میں عام طور پر مخالف سیاسی جماعتوں کے بنیادی مزاج اور عمومی طرزِ عمل میں اختلاف موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ کنزرویٹو پارٹی اور لیبر پارٹی کے مزاج اور پالیسیوں میں فرق اور تفاوت تھا ۔ اور لڑاؤ حکومت کرو ! کی حکمت عملی مقدم الذکر کی حدتک تو ایک حقیقت موضوعہ کی حیثیت رکھتی تھی لیکن مؤخر الذکر کے ضمن میں کم از کم اس حد تک نہیں ۔ اور یہ بات کہ جب ہندوستان آزاد ہوا اس وقت انگلستان میں لیبر پارٹی بر سر اقتدار تھی جہاں اس اعتبار سے اہم ہے کہ بصورت دیگر شاید ابھی آزادی کے حصول میں تاخیر ہو جاتی وہاں مسئلہ زیر بحث کے اعتبار سے تو نہایت فیصلہ کن ہے ۔ اس لئے کہ پہلے بھی یہ راز کچھ ایسا خفیہ نہ تھا اور اب تو وہ طشت از بام بھی ہو چکا ہے کہ انگلستان کہ وزیر اعظم لارڈ ایٹلی اور ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن دونوں کو قائد اعظم اور مسلم لیگ سے شدید نفرت تھی ۔ چنانچہ یہی وہ معروضی صورت حال تھی جس کے پیش نظر قائد اعظم کو کیبنٹ مشن پلان قبول کرنا پڑا تھا جس کے نتیجے میں کم از کم فوری طور پر ہندوستا ن کی تقسیم اور پاکستان قیام کا مسئلہ ختم ہو گیا تھا ۔ اب اس کے بعد بھی ملک تقسیم ہوا اور ایک آزاد اور خود مختار پاکستان وجود میں آیا تو جبر لازماً تھا لیکن انگریز کا نہیں بلکہ اس سے بھی کہیں بالا تر اور مقتدر ہستی یعنی اللہ کا !چنانچہ یہی وہ ماورائی حقیقت ہے جس کی جانب مارکس کی جدلی مادیت کے پھندے میں گرفتار شخص کا ذہن منتقل ہو ہی نہیں سکتا۔

اللہ کا یہ جبر اور قانون الٰہی کی یہ کار فرمائی اس سنت اللہ کہ مطابق ہے جب کوئی قوم اللہ کی بندگی اختیار کرنے کے لئے آزادی کی طالب ہوتی ہے تو اللہ اسکی خواہش پوری فرما کر اسے ایک لازمی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے کہ آزادی و خود اختیاری کے حصول کے بعد وہ اپنا وعدہ پورا کرتی ہے یا نہیں ۔ چنانچہ قرآن کے اس عمومی اسلوب کے مطابق کہ اہم مضامین اس میں کم از کم دو بار ضرور بیان ہوتے ہیں یہ قانون الٰہی بھی سورۃ الاعراف کی آیت ۱۲۹ (۱) میں تو خاص طور پر بنی اسرئیل کی سر گزشت کے ضمن میں وارد ہوا ہے ۔ اور سورۃ یونس کی آیت ۱۴ (۲) میں عمومی انداز میں مذکور ہے ۔ اور وقعہ یہ ہے کہ پاکستان کا قیام جس کے لئے تقسیم ہند نا گریز تھی سیاست و عمرانیات کے جملہ اصولوں کی رو

سے ایک معجزہ کی سی حیثیت رکھتا ہے جس کی واحد توجیہہ صرف مذکورہ سنت الٰہی ہی ہو سکتی ۔ یعنی یہ کہ جب راس کماری سے درہ خیبر اور چاٹگام سے کوئٹہ تک پورا بر عظیم پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الاللہ ! کے نعروں سے گونج اٹھا اور جمعوں اور عیدوں میں گڑ گڑا گڑ گڑا کر دعائیں کی گئیں کہ اے اللہ ! ہمیں انگریز اور ہندوؤں کی دوہری غلامی سے نجات عطا فرما تاکہ ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ دین پر عمل پیرا ہو سکیں ! چنانچہ حکمت خداوندی نے عین لیلۃ القدر کو تقسیم ہند اور قیام پاکستان کا فیصلہ صادر فرمادیا تاکہ ہم دیکھیں کہ اب تم کیا عمل کرتے ہو (یونس ۱۴)

اب ظاہر ہے کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کا یہ ماورائی عمل کسی ایسی شخصیت ہی کو نظر آسکتا تھا جو یہ دعویٰ کر سکے کہ ع ۔ گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود !" چنانچہ یہ علامہ اقبال تھے جنہوں نے ۱۹۳۰ء ہی میں جب قائد اعظم تو صرف چودہ نکات تک ہی پہنچے تھے اس تقدیر مبرم کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ ہندوستان کے شمال

---

(۱) قَالُوۡۤا اُوۡذِیۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِیَنَا وَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ؕ قَالَ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّہۡلِکَ عَدُوَّکُمۡ وَ یَسۡتَخۡلِفَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿ ۱۲۹ ﴾

(۲) ثُمَّ جَعَلۡنٰکُمۡ خَلٰٓئِفَ فِی الۡاَرۡضِ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ لِنَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾

مغربی حصے میں ایک آزد ریاست قائم ہوگی ! یہ دوسری بات ہے کہ اس مردِ درویش نے اس کا کوئی اصل مقصد معین کیا تھا اس کی جانب تا حال کوئی پیش قدمی نہیں ہو سکی ۔ تاہم اس سے بھی کوئی حرف حضرت علامہ پر نہیں آتا ۔ اس لئے کہ یہ بات انہوں نے ایک امکان اور موقع کی حیثیت سے کہی تھی پیشین گوئی کے انداز میں نہیں کہ : اگر ایسا ہوگیا تو موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات پر جو پردے عرب ملوکیت کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اس کے اصل روئے روشن کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں ! ۔۔۔۔ان سطور کے عاجز و نا چیز راقم کو بعض احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد پر یہ یقین حاصل ہے کہ ان شا اللہ علامہ اقبال کی یہ توقع بھی پوری ہوگی اور خلافت اسلامی کا احیا ء اسی ارض ِ پاکستان اور اس سے ملحق افغانستان سے ہوگا ۔ اگر چہ سورۃ الانبیا ء کی آیت ۱۰۹ میں وارد شدہ الفاظ (وان ادری اقریب ماتوعدون) اور اس طرح سورۃ الجن کی آیت ۲۵ میں وارد شدہ الفاظ مبارکہ :(قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَہٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا ﴿ ۲۵ ﴾) یعنی (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم !) کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب آچکی ہے یا ابھی میرا ربّ اس میں کچھ دیر فرمائے گا ! کے مطابق نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مرحلہ ابھی کتنی دور ہے نہ یہ کہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اب تک کی وعدہ خلافی کی مزید سزا دے گا یا نہیں اور دے گا تو کیا !

بہر حال جہاں تک دانیال لطیفی صاحب کی اس رائے کا تعلق ہے کہ بھارت اور پاکستان کے مابین نفرت کا خاتمہ کیا جائے تو اس کے ضمن میں عرض ہے کہ اگر فوری طور پر اس کا کلی خاتمہ ممکن نہ ہو تو بھی آزادی کے

چھیالیس سال (۱) بعد ہمیں اس امر پر تو سنجیدگی کے ساتھ لازماً غور کرنا چاہیے کہ اس کے کم از کم اس اضافی حصے کو تو ختم کرنے کی بہر صورت کوشش کریں جو ہمارے سابق غیر ملکی حکمرانوں نے اپنی وقتی حکمت عملی کے تحت پیدا کیا تھا کاش کہ دونوں ملکوں کے دانشور اس جانب توجہ کر سکیں ۔ _____

واضح رہے کہ یہ تحریر 1994 کی ہے۔

16

پاکستان کا قیام :
برطانوی سازش یا خدائی تد بیر؟

پروفیسر سید عرفانی کے جواب میں

روزنامہ جنگ لا ہور کی اشاعت ۱۶ اور ۱۷ مئی ۱۹۹۴ء میں میرے اس کالم پر ایک تنقیدی تحریر سید محمد یوسف عرفانی صاحب کے قلم سے شائع ہوئی ہے جو ۲۲ اپریل کو "قیام پاکستان : برطانوی سازش یا الٰہی تد بیر؟" کے عنوان سے شائع ہو اتھا۔ میں شخصی اعتبار سے پروفیسر صاحب سے بالکل واقف نہیں ہوں ۔ بنا بریں ان کے استفسار کے جواب میں اگر کوئی لفظ نا دانستہ طور پر میرے قلم سے ایسا نکل جائے جس میں سوء ادب کا احتمال ہو تو پیشگی معذرت خواہ ہوں ۔ مجھے سخت حیرت اور تعجب ہے کہ دو اقساط پر پھیلی ہوئی اس تحریر میں میری گزارشات کے اس حصے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے جو نہ صرف میرے اصل مدّعا اور مقصود کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس کالم کے عنوان میں جلی طور پر شامل ہے یعنی "الٰہی تد بیر ! " مزید برآں پروفیسر صاحب نے جناب دانیال لطیفی صاحب کے پورے موقف کو میری جانب منسوب کر دیا یعنی یہ کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان اصلاً برطانوی سازش کا نتیجہ ہے ۔ حالانکہ میں نے اس کے صرف ایک جزو کے مبنی بر صداقت ہونے کے احتمال کو تسلیم کر کے کلی اور مجموعی طور پر اس کی پر زور تردید اور نفی کی ہے اس تردید اور نفی کے ضمن میں بعینہٖ وہی دلیل دی ہے جو خود پروفیسر صاحب نے اپنی تحریر کے آخر میں بیان

فرمائی ہے ۔ اس پر اگر چہ صحیح طرزِ عمل تو یہ ہونا چاہئے کہ ؎ ناطقہ سر بگریبان ہے اسے کیا کہئے اور خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے ! کہہ کر خاموشی اختیار کر لی جائے لیکن چونکہ ہوسکتا ہے کہ پروفیسر صاحب کی اس تحریر سے بہت سے قارئین کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہوں لہٰذا میں اپنا موقف دوبا رہ اختصار کے ساتھ لیکن ریاضی کے انداز میں سلسلہ وار درج کر رہا ہوں :

۱)۔ میرے نزدیک پاکستان کا قیام کسی بر طانوی سازش کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ اللہ کی حکمت و مشیت کا مظہر اور احیاءِ اسلام اور غلبہ دینِ حق یا با الفاظ ِ دیگر نظام ِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے عالمی سطح پر قیام کے ضمن میں اللہ کے طویل المیعاد منصوبے کی اہم کڑی ہے ۔

۲)۔ تقسیم ہند کے سلسلے میں "برطانوی سازش" کے عمل دخل کا احتمال جزوی اور بالواسطہ طور پر اس اعتبار سے تو یقیناً ہے کہ عالم اسباب میں اس کا اصل سبب یہی بنا کہ مسلمانان ہند کو ہندوؤں کی جانب سے نا انصافی اور استیصال ہی نہیں اپنے جداگانہ ملی وقومی تشخیص کے بالکلیہ خاتمے کا شدید خوف لاحق ہو گیا تھا اور اس صورت حال کے پیدا ہونے میں جہاں بنیادی طور پر ہندوؤں (بالخصوص برہمنوں اور بنیوں) کے عمومی مزاج اور مسلمانوں کی طویل غلامی سے پیدا شدہ رد عمل کو بھی دخل حاصل تھا وہاں یقیناً انگریزوں کی "لڑاؤ اور حکومت کرو !" کی حکمت عملی نے بھی اس جلتی آگ پر تیل کا کام کر کے اس کی شدت اور اشتعال کو بڑھانے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا ۔ اور اگر تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے بوقت برطانیہ میں کنزرویٹو پارٹی کی حکومت ہوتی جس کی پالیسی میں اس "لڑاؤ اور حکومت کرو ! " کی حکمتِ عملی کو اصول موضوعہ کی حیثیت حاصل تھی اور جس کے دستاویزی شواہد عبد الولی خان و قتاً فوقتاً پیش فرماتے رہے ہیں تو شاید اس مفروضے کی تردید مشکل ہوجاتی کہ قیام پاکستان برطانوی سازش ہی کا نتیجہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت ِ کاملہ اور اختیارِ مطلق سے اپنی تدبیر کے ضمن میں اس مغالطے کا کلی سدباب اس طور سے کر دیا کہ تقسیم ہند کا فیصلہ برطانیہ میں

لیبر پارٹی کی حکومت کے ہاتھوں کروایا جس کے لیڈروں کی مسلمان ہند سے بلعموم اور مسلم لیگ اور اس کے قائد محمد علی جناح سے بالخصوص عدوات اور دشمنی اظہر من الشّمس تھی ! (چنانچہ یہی دلیل میں نے اپنے کالم میں بھی دی تھی اور اسی پر پروفیسر عرفانی صاحب کے استدلال کی تان بھی ٹوٹی ہے !)

اوپر احیاءِ اسلام غلبہ دین حق اور عالمی نظام خلافت کے قیام کے جس طویل المیعاد خدائی منصوبے کا ذکر ہے راقم کے نزدیک اس کا آغاز الف ثانی یعنی اُمت مسلمہ کی تاریخ کے دوسرے ہزار سال کے آغاز کے ساتھ ہی ہو گیا تھا ۔(اگر چہ یہ صرف اللہ ہی کو علم ہے کہ اس کی آخری اور حتمی تکمیل میں ابھی مزید کتنی مدت باقی ہے !)

چنانچہ عالمِ واقعہ میں اس منصوبے کی تعمیل کے ضمن میں جن اعاظم رجال کی محنتوں اور کاوشوں نے اہم ترین اور فیصلہ کن کردار ادا کیا ان میں سر فہرست تو گیارہویں صدی ہجری کے مجدد اعظم حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالی ہیں جن کے بارے میں علامہ اقبال نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ ؎

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار!

البتہ بعد کی دو صدیوں کے دوران اس خاکے میں ہمارے بہت سے بزرگوں نے اپنے خون پسینے سے رنگ بھرا اور اس منصوبے کو درجہ بدرجہ آگے بڑھانے میں اپنا حصہ ادا کیا لیکن چودھویں صدی ہجری میں اس منصوبے کی اہم کڑی یعنی قیام پاکستان جن دو عظیم اشخاص کی مساعی کا مرہونِ منت ہے وہ علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح ۔ جن کے مابین مثالی اتحاد و اتفاق اور عمومی ہم آہنگی اور باہمی تعاون کے باوصف سوچ اور اپروچ کا لطیف فرق بھی موجود ہے۔

4) چنانچہ علامہ اقبال اصلاً ایک مفکر اور فلسفی اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک وژنری تھے اور ان کی اصل دلچسپی فکر اسلامی کی تجدید اور اس کے نتیجے میں نظامِ اسلام اور ملتِ اسلامی کے احیاء سے تھی ۔یہی وجہ ہے کہ 1930ء کے خطبہ الٰہ آباد میں

انہوں نے تقسیم ہند یا مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کے قیام کی کوئی تجویز پیش نہیں تھی بلکہ صرف یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام تقدیرِ مبرم ہے اور اپنی اس دلی آرزو کا اظہار کیا تھا کہ اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات پر جو بدنما پردے عرب ملوکیت (ان کے اپنے الفاظ میں امپیریلزم) کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کا اصل رخِ روشن دنیا کے سامنے پیش کر سکیں یعنی اسلام کے اصل نظامِ عدل اجتماعی یا با لفاظِ دیگر نظام خلافت علیٰ منہاج النبوت کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں ۔ جبکہ قائد اعظم کو اصل فکر مسلمانانِ ہند کے قومی تشخص کے بقاء اور ان کے سیاسی اور معاشی حقوق کی حفاظت کی تھی جس کے لئے وہ کسی قابلِ عمل منصوبے اور دستوری منصوبے و آئینی تجویز پر غور کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے ۔ چنانچہ یہ نا قابل تردید حقیقت ہے کہ ان کے ضمن میں وہ ہندو قوم کے عمومی مزاج اور انڈین نیشنل کانگریس کی قیادت کے طرزِ عمل سے رفتہ رفتہ تدریجاً ہی مایوس ہوئے ۔ چنانچہ 1946ء میں کیبنٹ مشن پلان کو جو اصلاً مولانا ابوالکلام آزاد کے ذہن کی پیداوار تھا قائد اعظم نے قبول کیا تو جہاں یہ اس اعتبار سے ان کے فہم و تد

بر کا شکار تھا کہ انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد کی تبدیل شدہ عالمی حالات کے پیش نظر برطانوی حکومت ہندوستان سے رخصت ہونے کا فیصلہ کر چکی ہے اور اس موقع پر ہم نے نامناسب ضد یا ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو عین ممکن ہے کہ انگریز ہندوستان کی حکومت یک طرفہ طور پر کانگریس کے حوالے کر کے چلتے بنیں اور پھر یہ عقدہ لاینحل بن جائے (اس پر مفصل بحث میں نے اپنی تالیف استحکام پاکستان میں کی ہے !) وہاں اس احتمال کی بھی کلی نفی نہیں کی جاسکتی کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تقسیم ِ ہند ہی ہندو مسلم مسئلے کا واحد ممکن حل نہیں تھا بلکہ وہ ایسی کسی بھی تجویز پر غور کرنے کے لئے دل اور ذہن کے ساتھ تیار تھے جس کے ذریعے مسلمانانِ ہند کے قومی تشخیص کے بقاء اور ان کے سیاسی اور معاشی حقوق کی ضمانت حاصل ہو سکے ! چنانچہ

20

اس اعتبار سے جناب دانیال لطیفی کا خیال اور پرفیسر اقبال احمد کی بتائی ہوئی بات قابلِ غور تو ہے ہی جزوی طور پر درست بھی ہو سکتی ہے ۔ واللہ اعلم ! بہر حال میری جانب سے ان کا حوالہ صرف اس قدر اس حد تک تھا ۔ جناب دانیال لطیفی کے تمام خیالات کو میرے سر مڑھ دینا بڑی زیادتی ہی نہیں علمی خیانت ہے !

تا ہم میرے نزدیک اب ہمارے لئے اصل قابل غور چیز یہ تاریخی مباحث نہیں بلکہ یہ نہایت تلخ حقیقت ِ واقعی ہے قیام پاکستان کی صورت میں علامہ اقبال کی پیشین گوئی کے پورے ہو جانے پر لگ بھگ پونے سینتالیس سال (اور قمری حساب سے سوا اڑتالیس سال) گزر جانے کے بعد بھی اپنی کوتاہیوں اور بے عملی ہی نہیں بد عملی کے باعث ہم نہ ان کی اس آرزو کی طرف کوئی پیش قدمی کر سکے ہیں کہ پاکستان میں اسلام کے عادلانہ نظام ِ عدل اجتماعی کو بالفعل قائم کر کے (اور قائد اعظم کے الفاظ میں : اسلام کے اصول حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ پیش کر کے) نوع انسانی پر اللہ کے دینِ حق اور مصطفیٰ ﷺ کی عالمی نبوت و رسالت کی جانب سے اتمام حجت کر سکیں اور نہ ہی قائد اعظم کے اس خواب کی تعبیر دنیا کے سامنے لانے میں کامیاب ہو سکے ہیں کہ تقسیم ِ ہند کی صورت میں پاکستان اور بھارت کے مابین تعلقات اسی نوعیت کے ہو نگے جیسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مابین ہیں بلکہ اس کے برعکس ہم نے اپنے طرزِ عمل سے تاحال تو یہی ثابت کیا ہے کہ تقسیم ہند کے ضمن میں جو اندیشے نیشنلسٹ مسلمانوں کو بالعموم اور مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کو بالخصوص لاحق تھے وہ درست ثابت ہوئے ۔ اب اگر حکیم سعید صاحب (۱)

نے پاکستان کے موجودہ عمومی حالات کا آئینہ نہایت دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ قوم کے سامنے رکھ دیا ہے تو اس پر آئینہ کو توڑ دینے اور آئینہ دکھانے والے پر ٹوٹ پڑنے کی بجائے بہتر روش یہ ہے کہ حالات کو سنوارنے اور اس ملک کے قیام سے جو اصل مقاصد اس کے مصور و مفکر و مجوز (علامہ اقبال) اور بانی و معمار و

21

تھے ان کے حصول کی جانب پیش قدمی کی جائے !

اسی طرح اگر حکیم صاحب موصوف کی تحریر کو جو اولاً نظریہ پاکستان کے سب سے بڑے دعوے دار روزنامے میں شائع ہوئی تھی میں نے بھی تحریک ِ خلافت پاکستان کے نقیب جریدے ندائے خلافت میں اس لئے شائع کر دیا کہ چونکہ حکیم صاحب ایک غیر سیاسی اور غیر متنازعہ شخصیت ہیں لہٰذا شاید ملک و قوم کے ناگفتہ بہ حالات پر ان کا دردمندانہ مرثیہ کچھ لوگوں کو اصلاح حالِ کے لئے کمر بستہ کرنے میں مؤثر ثابت ہو سکے تو اس کی بنا پر مجھے ابو الکلام آزادمرحوم یا مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالی کا معتقد اور مرید بلکہ ایجنٹ قرار دے دینا بھی کسی طرح مبنی بر عدل و انصاف نہیں ہے ! جبکہ میں نے ہزار بار اعلان کیا ہے کہ مجھ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک والے ابو الکلام آزاد سے بے حد دلچسپی ہے جس نے پہلے الہلال اور البلاغ ایسے جرائد اور پھر حزب اللہ کے قیام کے ذریعہ اسلامیان ہند کے اس ملی و دینی جذبے کو جو اصلاً علامہ اقبال کی ملی شاعری سے پیدا ہوا تھا ایک دعوت، تحریک اور تنظیم کی اوّ لین صورت عطا کی اور اس اعتبار سے میں انہیں بر ملا اپنا دادا پیر تسلیم کرتا ہوں لیکن ۱۹۲۰ء کے بعد والے نیشنلسٹ ابوالکلام سے مجھے کوئی دلچسپی تو کیا سرے سے بحث ہی نہیں ہے ۔ اس طرح مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالی کے بارے میں بھی میں نے بار بار وضاحت کی ہے کہ میں اُن کے دینی علم و فضل اور تقویٰ و تدوین پر مستزاد انگریز کے خلاف ان کے سر فروشانہ جہادِ حریت کا تو یقیناً قائل بھی ہوں اور اس کی بناپر اس سے ایک گونہ محبت اور عقیدت بھی رکھتا ہوں لیکن ان کی سیاسی حکمت عملی سے نہ صرف یہ کہ شدید اختلاف رکھتا ہوں بلکہ اسے ان کے استاذ اور مربی اور میرے نزدیک چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعظم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالی کی مجتہدانہ بصیرت کے بھی خلاف سمجھتا ہوں جو اُن کے ۱۹۲۰ء کے بعض خطبات سے ظاہر ہوتی ہے (اس موضوع پر مفصل بحث میری تالیف جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی میں موجود ہے) ۔۔۔۔۔۔ تاہم اس اختلاف کے باوجود ہرگز نہ انہیں ہندوؤں کا زر خرید سمجھتا ہوں نہ مولانا ابو الکلام آزاد کو بلکہ

22

دونوں کو اپنی رائے اور موقف میں مخلص سمجھتا ہوں اور اس پر اگر کوئی مجھے گردن زدنی قرار دے تو مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہے !

پروفیسر عرفانی صاحب نے سورۃ المائدہ کی آیت ۵۱ اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۱۹ کے حوالے سے جو

باتیں تحریر فرمائی ہیں وہ تو گستاخی معاف ان کی سخن فہمی کے بارے میں کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں کرتیں اس لئے کہ ان دونوں آیات میں صراحت کے ساتھ تذکرہ صرف یہود اور نصاریٰ کا ہے گویا ان کی آیات کا مدلول اور مدّعا یہودیوں اور عیسائیوں کے حق میں تو نصِ قطعی کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ ہندوؤں اور دوسری غیر مسلم اقوام کے ضمن میں ان کا اطلاق فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (الکفرُ مِلۃٌ واحد) سے استنباط کے ذریعے ثانوی درجہ میں ہو گا ۔ لہٰذا ان آیات مبارکہ سے تو میرے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ اب عالمی صہیونیت کے آلہ کار امریکہ اور اس کے خانہ ساز ادارے بلکہ خانہ زاد کنیزاقوامِ متحدہ سے صرف نظر کر کے مشرقی ایشیا کے مسلم ممالک یعنی ایران افغانستان ترکستان اور ان کے علاوہ بھارت اور چین کے ساتھ مفاہمت اور مصالحت کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ رہا ان کا یہ فرمانا کہ :"امریکہ پاکستان اور برصغیر سے کوسوں دور ہے لہٰذا وہ برصغیر پر مادی تسلط قائم نہیں کر سکتا ! "تو یہ ان کے موجودہ عالمی مالیاتی نظام اور اس کے اثر و نفوذ سے ناواقفیت نہیں تو ان تلخ حقائق کی جانب سے صرف نظر کا ضرور مظہر ہے ۔ اس لئے کہ آج دنیا میں اگرچہ فاصلے بھی بے معنی ہو گئے ہیں تاہم کسی مادی تسلط یا عسکری قبضہ اور براہ راست حکومت کے کھکھیڑ مول لینے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی ہے جبکہ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف ایسے اداروں کے ذریعے پوری دنیا پر ریموٹ کنٹرول کی صورت میں بالواسطہ حکومت بھی کی جا سکتی ہے اور سودی معیشت اور قرضوں کے جال میں پھنسا کر دور بیٹھے اور عوامی غیظ و غضب سے کلی طور پر محفوظ رہتے ہوئے قوموں اور ملکوں کی خون پسینوں کی کمائی کی بالائی بھی بآسانی حاصل کی جا سکتی ہے ۔
''آخری لیکن کمترین نہیں" کی مصداق وضاحت یہ ہے کہ مجھ پر بہت بڑا

23

بہتان ہے کہ میں پاکستان اور بھارت کے مابین سرحدوں کی دیوار کو گرانا چاہتا ہوں ۔ میری تو پوری زندگی کی سعی و جہد کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کر کے اوّلاً خود اسے مستحکم کیا جائے اور پھر اس انقلاب کی مشرق و مغرب میں توسیع کے ذریعے خدا کی مخلوق کو انسانی ذہن کے تراشیدہ ظالمانہ اور استحصالی نظاموں سے نجات دلا کر ربّ الناس اور ملک الناس کے عادلانہ اور منصفانہ نظامِ اجتماعی کی نعمت سے بہرہ ور کیا جائے ۔ البتہ بھارت اور پاکستان کے مابین مخاصمت اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین منافرت میں کمی کی ہر کوشش میرے نزدیک نہ صرف اصولی اور اخلاقی اعتبار سے مستحسن ہے بلکہ مفکر و مصورِ پاکستان اور بانی و مؤسس پاکستان دونوں کے نظریات کے بھی عین مطابق ہے !

24

(3)
پاک بھارت کشیدگی :
انگریز کی گھناؤنی سازش

انگریزوں نے بر عظیم پاک ہند کے بعض حصوں پر ایک سو برس سے کچھ زائد اور بعض پر لگ بھگ دو سوبرس تک حکومت کی اور عجیب اتفاق ہے کہ مقدم الذکر علاقہ کا جزو اعظم موجودہ پاکستان ہے اور مؤخر الذکر کا اہم ترین حصہ مشرقی پاکستان تھا جواَب بنگلہ دیش کی صورت میں موجود ہے۔ بہر حال اس عرصے کے دوران ہندوستان میں بسنے والوں کی چار پانچ سے لے کر آٹھ دس نسلوں تک انگریزوں کی غلامی میں گزریں ۔ اب عمرانیات اور اجتماعی نفسیات کا عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی ملک پر کوئی بیرونی قوم اس طرح اور اتنے عرصے تک قابض و حاکم رہے تو طبعی طور پر محکوم قوم میں اس کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جو حصول آزادی اور تقسیم ہند کے وقت تو لازمی طور پر شدید ترین ہوتا خواہ بعد میں امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس میں کمی واقع ہو جائے ۔ لیکن یہ ایک عجیب اشتنائی معاملہ ہے ،کہ عین حصول آزادی اور تقسیمِ ہند کے وقت بھی انگریزوں کے خلاف نفرت نہ ہندوستان میں تھی نہ ہندوؤں نہ مسلمانوں میں ۔ بلکہ بڑے ملک یعنی بھارت نے تو انگریزی وائسرائے لاؤڈبیٹن ہی کو اپنا پہلا گورنر جنرل بھی بنا لیا تھا اور یہی معاملہ پاکستان کا بھی ہو جاتا اگر قائد اعظم ماؤنٹ بیٹن کی اس خوہش کو بلا جھجک رد نہ کر دیتے اور یہ بھی میرے نزدیک یقیناً اس خدائے بزرگ و برتر کی خصوصی مشیت ہی کے تحت ہوا جس کی شان یہ ہے کہ : (وَ اللّٰہُ لَا یَسۡتَحۡیٖ مِنَ الۡحَقِّ ؕ) (الاحزاب : 53) یعنی اللہ کو حق بات کے کہنے میں کوئی جھجک

نہیں ہوتی ! ورنہ کون نہیں جانتا کہ اس میں صورت میں پاکستان کا بستر" ع
"اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار رہم ہوئے"

کہ مصداق دراز ہوتے ہی تہہ ہو جاتا ۔ مزید برآں یہ واقعہ بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ بعد میں بھی دونوں ملک طویل عرصے تک برطانیہ عظمیٰ کے زیر سرپرستی دولت مشترکہ میں شامل رہے اور کافی عرصہ کے بعد ایک جذباتی مرحلے پر پاکستان نے اسے خیرباد کہا بھی تو بہت جلد اس کی جانب سے پچھتاوے کا اظہار ہوا۔"

لہٰذا غور کرنا چاہیئے کہ ع" ہوئی تاخیر تو باعثِ تاخیر بھی تھا !" کے مصداق اس کا سبب کیا ہے ؟ ۔
اس ضمن میں جہاں تک عین آزادیٔ ہند اور تقسیمِ ملک کے وقت تعلق ہے اس میں تو ہرگز کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس کا اہم ترین سبب یہ تھا کہ ع
''یاد تھی جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں !''

کے مصداق دونوں قوموں میں نفرت و انتقام کے جملہ جذبات ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی کشت وخون کی صورت میں ڈھل کر تحلیل ہو گئے اور سابق حاکم یعنی انگریز محکوم ہندوستانیوں کے اس طبعی ردّ عمل سے صاف سے بچ کر نکل گئے ۔ البتہ اس ہندو مسلم منافرت اور بد اعتمادی کے آغاز اور ارتقاء کے مختلف اسباب وعوامل اوران کے مابین باہمی نسبت وتناسب کے بارے میں آراء مختلف ہو سکتی ہیں ۔ اس سلسلے میں مجموعی اعتبار سے تو جملہ اسباب و عوامل غالباً متفق علیہ ہی ہوں گے تاہم ان کے تجزیئے کے ذریعے یہ تعین کرنا کہ ان میں سے کون سا عامل سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا بہت گہری تحقیق و تفتیش کا محتاج ہے۔ ہندو مسلم منافرت کے وہ ممکنہ متفق علیہ عوامل حسب ذیل ہیں:
۱)۔ ہندوؤں کی عمومی تنگ نظری اور الگ تھلگ رہنے کا انداز خصوصاً ان کا چھوت چھات کا نظام ۔
۲)۔ برہمن کا سامراجی مزاج اور ویش اور کھتریوں کی چاپلوسانہ عیاری اور سود خوری کی وہ عادت جس کی بناء پر بنجمن فرینکلین نے یہودیوں کو خون چوسنے والی چمگادڑوں

(vampires) سے تعبیر کیا تھا
۳)۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ غلامی کا طبعی ردِ عمل ۔ اور ''آخری لیکن کم ترین نہیں '' کے مصداق
۴)۔ انگریزوں کی لڑاؤ حکومت کرو کی حکمت عملی جو کنزرویٹو پارٹی کی تو یقیناً عادت ثانیہ تھی البتہ لیبر پارٹی میں اتنی راسخ نہ تھی !۔۔۔

بہر حال ان میں سے کون سا عامل اہم ترین اور مؤثر ترین تھا اور ان میں سے ہر ایک کا جدا جدا حصہ کتنا تھا اگر چہ اس سوال کے واضح اور حتمی جواب کو فی الحال مستقبل کے محققین اور مؤرخین کے حوالے کیا جاسکتا ہے تاہم اس میں ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ کم از کم برٹش راج کے آخری دور میں تو یقیناً آخری عامل ہی سب سے زیادہ مؤثر اور فیصلہ کن تھا ۔

البتہ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے آزادی کے بعد بھی پاکستان اور بھارت کے مابین مسلسل دشمنی کی فضا اور ایک ایسی سرد جنگ کی کیفیت کیوں جاری رہی جس نے متعدد بار تو بالفعل آگ اور خون کی گرم بازاری کی

صورت اختیار کی اور ان کے علاوہ بہت سے مواقع ایسے بھی آئے کہ دونوں ملک سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۳ کے ان الفاظ کے مطابق (اِخۡوَانًا ۚ وَ کُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ) یعنی تم تو آگ کے گڑھے کے بالکل کنارے پر پہنچ گئے تھے ! "با ضابطہ جنگ کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے ! " یہ دوسری بات ہے کہ رحمت خداوندی نے اسی آیت کے اگلے الفاظ کہ : (فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡہَا ؕ) یعنیٰ تو اللہ نے تمہیں اس سے نجات دی ! کی سی شان کے ساتھ بچا لیا چنانچہ آج کل پھر اس سرد جنگ کے گرم بھٹی کی صورت اختیار کرنے کا امکان بہت قریب آگیا ہے اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کے حالات کے پیش نظر پاکستان کے بعض نیم مذہبی اور نیم سیاسی رہنماؤں سمیت بعض صحافی اور دانشور بھی باربار افواجِ پاکستان کو للکار رہے ہیں کہ "وہ اپنا فرض ادا کریں ! " تو اس سوال کا جواب اگرچہ بالکل نوشتہ دیوار کے مانند واضح ہے تاہم سرحد کے دونوں جانب طالع آزما سیاست دانوں نے

عوام کی جس نفسیاتی کیفیت کو پختہ کر دیا ہے اس کے باعث سب نے اس کی جانب سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جبکہ دونوں قدموں کی وہ نسل جو حصولِ آزادی کے بعدپیدا ہوئی انسان کے ذہنی و نفسیاتی بلوغ کے سخت ترین قرآنی معیار یعنی چالیس سال کی عمر سے بھی آگے نکل چکی ہے (سورۃ الاحقاف : آیت ۱۵) دونوں جانب کے اصحابِ علم و فہم اور اربابِ دانش و بینش اس امر پر سنجیدگی سے غور کریں کہ پاک بھارت تعلقات کے بہتے دریا میں دونوں ملکوں کے عوام کے نصیب کی سیاہی ہی نہیں ان کے خون کی سرخی بھی کون گھول رہا ہے ؟ اور آیا اس کے ازالے کی کوئی صورت ممکن ہے یا نہیں ؟ ۔بھارت کے عوام اور ہمارے مابین تو یقیناً گونا گوں نوعیت کے نفسیاتی حجابات پر مستزاد بہت سی مادی فصلیں بھی حائل ہیں جن کی بناپر ہماری بات کا ان تک پہنچنا بہت مشکل ہے لہٰذا کیوں نہ اس سنجیدہ سوچ بچار کا اغاز ہم پاکستانی مسلمان کریں ؟ اس لئے کہ ہمارے لئے تو یہ مسئلہ اس اعتبار سے بھی بہت اہم ہے کہ تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کے دونوں سب سے بڑے علمبردار وں یعنی مصور و مفکرِ پاکستان علامہ اقبال اور معمارو مؤسس پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے تقسیم کے بعد کے حالات کے ضمن میں قائد اعظم نے تو صرف یہ کہنے پر اکتفا کی تھی کہ بھارت اور پاکستان کے تعلقات ایسے ہی ہوں گے جیسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مابین ہیں ۔ لیکن علامہ اقبال نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے خطبہ آلہ اباد (دسمبر 1930ء میں یہاں تک فرمادیا تھا کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع مسلم ریاست ہر نوع کی جارحیت کے مقابلے میں ہندوستان کے دفاع کا فریضہ بہترین طور پر سر انجام دے گی خواہ وہ جارحیت نظریات کی ہو خواہ ہتھیاروں کی ! چنانچہ غور طلب بات ہے کہ کیا ہمارے یہ دونوں مسلّمہ قائد خاکم بدہن بالکل بے بصیرت اور کو دن تھے ؟ کہ انہوں نے ہندوستان مسلم مفاہمت اور پاک بھارت تعاون کی جس سحر کی نوید سنائی تھی وہ نہ صرف یہ کہ فیض کے

ان اشعار کے مصداق ابھی تک طلوع نہیں ہوئی بلکہ مستقبل میں بھی دور دور تک اس کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے ہے

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
کہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے دوست کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں !

اس گھمبیر سوال کا صاف و صریح اورر حتمی و قطعی جواب صرف یہ ہے کہ نہ ہمارے قائد بے بصیرت تھے نہ موجودہ صورت ِ حال تقسیم کے فارمولے کا منطقی نتیجہ ہے بلکہ اس پوری صورت حال کا واحد سبب مسئلہ کشمیر ہے جو انگریزوں کی عیاری بدنیتی خیانت اور بے ایمانی کا عظیم ترین شاہکار ہے ۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انگریزوں کو مسلمانانِ کشمیر کی قومِ نجیب و چرب دست وتر دماغ کے ساتھ کیا ازلی بغض اور خدائی بیر تھا کہ لگ بھگ سو سال پہلے تو انہوں نے اس پوری قوم کوع "قومے فر وختندو چہ ارزان فروختند "کے مطابق چند لاکھ ٹکوں کے عوض ہندو ڈوگروں کے ہاتھ بیچ دیا ۔ اور پھر عین تقسیم کے وقت او لاً ایک انگریز یعنی ریڈ کلف نے اپنے بدنام زمانہ ایوارڈ کے ذریعے ریاست جموں و کشمیر کے ساتھ الحاق کی راہ ہموار کر دی جو نہ صرف یہ کہ تاریخی و جغرافیائی اور مذہبی اور ثقافتی جملہ اعتبارات سے پاکستان کا جزوِ لاینفک اور خاص طور پر آبی و سائل کے نقطہ نظر سے پاکستان کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے اور جو اس بنیادی اصول کے مطابق جو تقسیم ہند کے لئے طے ہوا تھا یعنی یہ کہ مسلم اکثریت والے تمام ملحق علاقے پاکستان میں شامل ہوں گے قطعی طور پر پاکستان کا حصہ بنتی تھی اور بعد میں جب ریا ست کے مسلمانوں نے بغاوت کی اور اس صریح بے انصافی اور بد دیانتی کے خلاف علم ِ جہاد بلند کیا اور پاکستان کے عوام اور بالخصوص قبائلی پٹھانوں نے مدد کی اور مسئلے کے آخری حل کے لئے پاکستانی فوج کی بس ذرا سی امداد لی کسر رہ گئی تھی تو ایک دوسرے انگریز یعنی افواجِ پاکستان کے کمانڈر

انچیف جنرل گریسی نے قائد اعظم کی خواہش بلکہ حکم کے علی الر غم آڑے آکر اس حق تلفی کے فوری ازالے کا راستہ مسدود کر دیا ۔ چنانچہ معاملہ یو این او کے سپرد ہوا اور پینتالیس برس سے اس کی فائلوں میں دفن پڑا ہے ۔
وہ دن اور آج کا دن بھارت اور پاکستان کی حکومتیں اور عوام اپنے سابقہ غیر ملکی حکمرانوں کے اس

کردار کا مزہ چکھ رہے ہیں جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۰۴ اور ۲۰۵ کے ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ :
(وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُہٗ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یُشۡہِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِہٖ ۙ وَ ہُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡہَا وَ یُہۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَ النَّسۡلَ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾)
" بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ حیات و معاملات دنیوی میں ان کی (چکنی چپڑی) باتیں تمہیں بہت اچھی لگتی ہیں اور وہ اپنی نیتوں پر خدا کو گواہ بھی بناتے رہتے ہیں حالانکہ وہ بدترین دشمن ہوتے ہیں ۔ چنانچہ جب وہ پیٹھ پھیرتے ہیں (ذرا نوٹ فرمائیں یہ الفاظ ِ مبارکہ انگریزوں کی ہندوستان سے واپسی پر کس قدر عمدگی کے ساتھ چسپاں ہو رہے ہیں) تو زمیں میں فساد برپا کرنے کی سعی کرتے ہیں تاکہ (اس کے ذریعے) زمین کھیتی اور انسانوں کی نسل کو ہلاک کر دیں ! ۔
چنانچہ اس عرصے کے دوران بھارت اور پاکستان کے مابین کئی خونریز جنگیں بھی ہو چکی ہیں جن میں ہزاروں انسان ہلاک اور معذور ہوئے لا تعداد عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے اور ارب ہا ارب روپے کے مالی نقصان دونوں ملکوں کو ہوئے ۔ مزید برآں عوام کے خون پسینے کی کمائی کا بڑا حصہ بجائے عوامی بہبود اور تعلیم و ترقی کے مسلسل بڑی بڑی فوجوں کو "کھڑی "رکھنے اور مہلک اسلحہ کی خرید میں صرف ہوتا رہا ۔ پھر ان کی باہمی چپقلش سے وقت کی دونوں سپر پاورز نے بھرپور فائدہ اٹھایا ۔ چنانچہ اگر پاکستان نے اپنے بچاؤ کے لئے امریکہ کی پناہ حاصل کی تو بھارت نے روس کا دامن تھاما اور اس طرح دونوں ملک ان کی سرد جنگ میں ملوث ہو گئے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ سرد

جنگ کے اصل فریقوں یعنی روس امریکہ کے مابین تو یہ جنگ ہمیشہ سرد ہی رہی جبکہ بھارت اور پاکستان کے مابین اس کی بھٹی باربار دہکتی رہی ۔ اور اس سے بڑھ کر جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے کا مظہر ِ اتم یہ ہے کہ اس پورے عرصے کے دوران بھی انگریز دونوں ملکوں کے نہ صرف مشترکہ دوست بلکہ مربی و سرپرست اور ناصح و ثالث بالخیر رہے اور آج بھی میر تقی میر کے اس بدنام زمانہ شعر کے مصداق کہ ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطّار کے "لڑکے" سے دوا لیتے ہیں !

کشمیر کے مسئلے کے حل کے لئے ہمارے یہاں اکثر و بیشتر دہائی دی جاتی ہے انگریز کے سرپرست امریکہ کی اور حوالہ دیا جاتا ہے اس کے خانہ ساز ادارے یو این او کی قراردادوں کا ۔
بہر حال اس ذہنیت اور طرز ِ فکر پر تو "بایں عقل و دانش بباید گریست !" کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے

لیکن اصل ضرورت اس کی ہے کہ ہم سنجیدگی کے ساتھ فیصلہ کریں کہ آیا ہمیں واقعات و حوادث کے اس دریا میں جس کا رخ ہماری سادہ لوح مبنی خوش اعتقادی اور حسن ظن اوراغیار کی دشمنی اور اعیاری کے باعث ایک خاص سمت میں موڑ دیا گیا تھا چار رونا چار بہتے ہی چلے جانا ہے خواہ اس کے نتائج کتنے ہی مضر اور ہولناک ہوں یا ہمت سے کام لے کر اس کے رخ کے بدلنے کی کوشش کرنی ہے !

(4)

پاک بھارت مفاہمت

اور

مسئلہ کشمیر کا حل

ہندو مسلم منافرت پاک بھارت مخاصمت کے قدیم اور تاریخی اسباب کو بالکل ختم کر دینا تو ظاہر ہے کہ اب ممکن نہیں ۔ اس لئے کہ گیا وقت تو منفی اور مثبت دونوں کہاوتوں کے اعتبار سے ہماری دسترس سے باہر ہے یعنی گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں !"اور میں گیاوقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں !" لہٰذا پاک بھارت مفاہمت کی کسی بھی کوشش میں ہر اعتبار سے اوّلیت اور اہمیت موجودہ مسائل ہی کو دینی ہو گی جن میں سر فہرست مسئلہ کشمیر

ہے ۔

تاہم اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ماضی سے متعلق بعض مزعومہ مسلمات پر بھی کسی قدر تنقیدی نگاہ ڈال لی جائے کہ ان میں حقیقت کتنی ہے اور افسانہ آمیزی کتنی ۔ اس لئے کہ اس سے مفاہمت کے لئے ذہنی تیاری میں مدد مل سکتی ہے ۔

برہمن اور بنئے کے بارے میں ہمارے یہاں جو تصورات پتھر کی لکیر کی مانند پختہ ہو گئے ہیں انہیں "زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو" کے مصداق اگر کسی درجہ میں تسلیم کر بھی لیا جائے یعنی یہ کہ برہمن کا عمومی مزاج سامراجی ہے اور وہ یہودیوں کی مانند اپنے آپ کو ایک بالا تر اور برتر مخلوق گردانتا ہے اور بنئے کی ذہنیت بھی بالمعموم یہودیوں ہی کی ایک دوسری صفت یعنی سود خوری اور اس سے پیدا شدہ چاپلوسانہ عیاری کے کردار کا

عکس ہے جس کی بہترین تعبیر "منہ میں رام رام بغل میں چھری " کے الفاظ سے ہوتی ہے تب بھی ایک جانب تو یہ اٹل اصول نا قابل تردید ہے کہ ؎

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

گویا نہ سب برہمن ایک مزاج کے حامل ہیں نہ تمام بنئے ایک ہی سی سرشت رکھتے ہیں ۔ (خاص طور پر ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال کی صورت میں جو "برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز" عطا فرمایا اس کی مثال بہت ہی نمایاں ہے !) اور دوسری جانب ہندو معاشرے میں کھشتری اور راجپوت بھی تو ہیں جن کی غیرت و حمیت شرافت و مروت اور وسیع القلبی اور فراخ حوصلگی ضرب المثل ہے اور پھر سب سے بڑھ کر وہ پسماندہ قومیں بھی تو ہیں جو خود اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی ستم رسیدہ ہیں اور اگرچہ ماضی میں تو وہ "بابندگی خو گرفتہ " اور ع "ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے !" کی مصداق کامل بنی ہوئی تھیں لیکن اب ہندستانی معاشرے میں پوری قوت کے ساتھ ابھر رہی ہیں ۔یہاں تک کہ شمالی ہند کی یوپی اور بہار جیسی کٹر ہندو ریاستوں میں ان ہی میں سے بعض یعنی "یادیو" وزارتِ علیا پر بھی فائز ہو گئے ۔پھر تعداد میں بھی وہ بقیہ تینوں طبقات سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں !

اس ضمن میں لکھنؤ (یوپی بھارت) سے شائع ہونے والے قدیم اور مؤقر دینی و علمی ماہنامے "الفرقان" کی ایک حالیہ اشاعت کے اداریہ کے حسب ذیل اقتباسات اہم ہیں :

ایک غلطی بہت مدت سے ہم ہندوستانی مسلمانوں سے ہو رہی ہے اور اس کے بہت سخت نقصانات

ہم اٹھاتے چلے آرہے ہیں ۔۔۔۔۔ وہ غلطی یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں بسنے والے اکثریتی فرقہ کو ایک قوم سمجھتے ہیں حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے ۔۔۔۔۔اس غلطی کا سب سے بڑا نقصان یہ رہا کہ اسی کی وجہ سے ہم اس مرعوبیت اور احساسِ کمتری سے نکل نہیں پا رہے ہیں جو ایمانی کمزوری کے علاوہ اپنی اور اس قوم کی تعداد اور سیاسی اور معاشی پوزیشن

کے مابین زبردست فرق کو دیکھ کر ہمارے اوپر چھایا ہوا ہے ۔۔۔۔۔واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی سماج و حدت کی کوئی بنیاد نہیں رکھتا۔۔۔۔۔۔ اس کو متحدہ مذہبی تشخیص عطا کرنے اور ان سب کو ایک گروہ بنا دینے اور اسے اکثریت کی خلعت فاخرہ پہنا دینے کی سازش اصل میں انگریزوں اور برہمنوں کے اشتراک عمل کے نتیجے میں اور ہماری سادہ لوحی اوریہاں کے سماجی و مذہبی نظام سے براہِ راست نا واقفیت کی وجہ سے کامیاب ہوئی ہے ۔ لیکن اب صاف طور پر نظر آرہا ہے کہ اس ملک کے مظلوم طبقات ذِلت و غلامی کے طوق سے اپنی گردن آزاد کرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں ۔ ایسا نہیں ہے کہ ہندوستان کے سماجی ڈھانچے کو بدلنے اور برہمنی جبرو استبداد سے نکلنے کی آواز پہلی بار لگی ہے پہلے بھی یہ کوشش ہوتی رہی ہے ۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ معاملہ اب جہاں تک پہنچ گیا ہے وہاں تک کبھی نہیں پہنچا تھا اور شاید اب یہ بات آگے بڑھتی جائے گی ۔ پھر ہمارے لئے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ بھارت میں صرف ہندو ہی آباد نہیں مسلمان بھی ہیں اور اگر بھارتی مسلمانوں کی عام رائے کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ بھارت کو دنیا میں سب سے زیادہ آبادی والا مسلمان ملک قرار دیا جاسکتا ہے ۔ (عام سرکاری اعداد و شمار کی رو سے بھی دنیا بھر میں صرف ایک انڈونیشیا ایسا ملک ہے جو بھارت سے زیادہ تعداد مسلمان آبادی کا دعویٰ کر سکتا ہے) اور انگریزوں کی آمد سے قبل مسلم انڈیا کی پوری تاریخ کے دوران بعض حکمرانوں اور مقتدر اشخاص کی ذاتی حرص و آزیا ابوالہوسی کی بنا پر ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کے انفرادی واقعات اور ان کے ضمن میں بھی حقیقت اور افسانہ کے تناسب کی تحقیق سے قطع نظر واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فساد یا تصادم کی تاریخ موجود نہیں ہے بلکہ صورت حال وہ رہی ہے جس کا نقشہ اسی برہمن زادہ نے ان الفاظ میں کھینچا تھا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ ؎

اے شیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہلِ بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے

یا باہم پیار کے جلسے تھے دستور محبت قائم تھا
یا بحث میں اردو ہندی ہے یا قربانی یا جھٹکا ہے

تو کیا یہ مسئلہ واقعتاً غور طلب نہیں ہے کہ ۔ کون معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں؟ اس مقام پر اس بات کا حوالہ بھی یقیناً دلچسپی کا موجب ہو گا کہ بھارت کے ایک ہریجن لیڈر پالانی بابا نے اپنے ایک کتابچے میں جو ۱۴۔ عزیز ملک اسٹریٹ نمبر ۵ مدراس تامل ناڈو سے شائع ہوا ہے ہندوؤں کے سر کردہ رہنما پوری شنکر آچاریہ کے اس قول کے حوالے سے کہ "اچھوت ہندو نہیں ہیں!" یہ دعویٰ کیا ہے کہ بھارت میں "ہندو" اکثریت میں نہیں بلکہ اقلیت میں ہیں، اس لیے کہ بقول ان کے "بھارت کی کل آبادی کے ۲۵ فیصد اچھوت ہیں ۲۰فیصد مسلمان ہیں ۳فیصد عیسائی ہیں ۲ فیصد سکھ ہیں اعشاریہ سات فیصد بدھ مت کے پیرو کار ہیں اور اس طرح بھارت کی غیر ہندو آبادی کل آبادی کا لگ بھگ ۵۱فیصد بن جاتی ہے ۔ مزید برآں اس ضمن میں بھی بعض حقائق ایسے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کی تاریخ کے حوالے سے ان دونوں قوم کے مابین تلخی کا زہر گھولنے کا سب سے مؤثر کام بھی بعض انگریز محققین اور مؤرخین ہی نے سر انجام دیا ۔ جس کی سب سے نمایاں مثال ایودھیا کی بابری مسجد کا معاملہ ہے اس لئے کہ اس کے بارے میں یہ تحقیق کہ یہ مسجد رام جنم استھان پر بنی ہوئی ہے ایک انگریز ہی کی جانب منسوب ہے۔ اور پھر ایک دوسرے انگریز یعنی سول جج نے بجائے مسئلے کو حل کرنے کے مسجد پر تالا ڈال کر اور مقدمے کو طول دے کر پورے معاملے کو ایک ٹائم بم بنا کر رکھ دیا جو لگ بھگ سو برس بعد شدید ترین دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا ۔ اور ہندو مسلم کشیدگی میں ایک نئے باب کے اضافے کا ذریعہ بن گیا ۔ فاعتبروایااولی الابصار۔

بہر حال ان جملہ حقائق کے علی الرغم یہ بات اپنی جگہ بالکل کوہِ ہمالیہ کے مانند اٹل ہے کہ مسئلہ کشمیر کے منصفانہ حل کے بغیر پاک بھارت تعلقات میں مستقل اور پائیدار بہتری کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی ۔ لیکن اصل گو طلب بات یہ ہے کہ خود مسئلہ کشمیر

کے حل کے لئے ہمارے پاس کون کون سے آپشن موجود ہیں اور وہ کس کس حد تک قابلِ عمل بھی ہیں اور متوقع طور پر نتیجہ خیز بھی ؟ سب سے پہلے جنگ کو لیجئے جس کی آج کل بار بار دہائی دی جا رہی ہے ۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ فی الواقع اور خصوصاً بحالاتِ موجودہ کوئی قابلَ عمل حل ہے ؟ کیا ہم جنگی صلاحیت کے اعتبار سے بھارت کے مقابلے میں آج کی نسبت ۱۹۶۵ء میں کہیں زیادہ بہتر حالت میں نہیں تھے ؟ پھر اگر اس وقت کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی تو آج اس کی کتنی امید کی جا سکتی ہے؟
مسلمانانِ کشمیر پر بھارت کی ننگی جارحیت اور بے پناہ ظلم و بربریت کے خلاف پاکستان کی جانب کھلم

کھلا اعلان ِ جنگ صرف اس صورت میں ہوسکتا تھا کہ ہمیں اپنے موقف کے مبنی برحق و انصاف ہونے کے ساتھ ساتھ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۰ کے ان الفاظِ مبارکہ کے مطابق کہ: (اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ) یعنی اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا ! اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کا یقین بھی حاصل ہوتا ۔ جبکہ ہمارا حل یہ کہ ہم سودی معشیت کے نظام کو جاری رکھنے کے باعث خود ہی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برسرِ جنگ ہیں لہٰذا فرمان ِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم : ((فانّٰی یستجاب لذالک؟)) یعنی ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے ؟ کے مطابق ہمیں اللہ کی نصرت و تائید کی امید کیسے ہو سکتی ہے ! بنا بریں لےدے کر سارا معاملہ صرف مادی اسباب ووسائل کی کمیت اور کیفیت کا رہ جاتا ہے جس کا تقابلی جائزہ اور موازنہ آئے دن اخبارات کی زینت بنتا رہتا ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اس مستقل سنت کا مظہر ہے کہ : (کُلًّا نُّمِدُّ ہٰۤؤُلَآءِ وَ ہٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّکَ ؕ) (بنی اسرائیل : ۲۰) یعنی ہم یہ اور وہ (یعنی طالبان ِ دنیا اور طالبانِ آخرت) سب کی آپ کے رب کے فضل و عطا سے مدد کرتے رہتے ہیں ! کہ اس نے ہمیں اوّلاً ۱۹۷۱ء میں سابق صدر امریکہ آنجہانی رچرڈ نکسن کے دل میں وہ بات ڈال کر جسے اس وقت اندرا گاندھی نے ''پرو پاکستان ٹلٹ'' سے

تعبیر کیا تھا اس سے روسی وزیر اعظم کوسی جن کو ہاٹ لائن پر الٹی میٹم دلوایا جس کے حکم کے تحت اندرا گاندھی نے یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کیا جس کے نتیجے میں ہمیں بارگاہِ خداوندی سے (مَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ) یعنی مزید مہلت عمل مل گئی ۔ پھر یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اسی سنت کا مظہر ہے کہ بعد میں ہمیں اپنے خصوصی فضل وکرم سے خالص معجزانہ طور پر ایٹمی صلاحیت کے ذریعے ایک مؤثر ڈیٹرنٹ عطا فرما دیا اور یہ بھی صرف اسلئے کہ اس کی حکمت و مشیت میں ابھی ہمارے (فَیَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ) (پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو ! الاعراف : 129) والے امتحان کی مہلت اور مدت ختم نہیں ہوئی ہے ۔ جس پر ہمیں سورۃ الانفطار کے ان الفاظ ِ مبارکہ کے مطابق کہ (یٰۤاَیُّہَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الۡکَرِیۡمِ ۙ﴿ ۶ ﴾) یعنی اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے مہربان رب (کی جانب سے مہلت کی طوالت کے باعث اس کے مکافات ، عمل کے قانون) کے بارے میں دھوکہ میں بتلا کر دیا ؟ کے مصداق ہر گز دھوکا نہیں کھانا چاہئے ۔ اس لئے کہ سورۂ اعراف کی آیت ۳۴ اور سورۂ یونس کی آیت ۴۹ میں وارد شدہ الفاظ کے مطابق یہ مہلت کسی بھی لمحہ ختم ہو سکتی ہے ۔ اور جب یہ اچانک ختم ہو جائے گی تو اس میں مزید توسیع وتا خیر کسی طرح ممکن نہیں بفجوائے : (فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَۃً وَّ لَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿ ۳۴ ﴾) (الا عراف : 34) یعنی پھر جب ان کی وہ معین گھڑی آجائے گی تو نہ یہ لوگ ایک ساعت آگے بڑھ سکیں گے نہ پیچھے کھسک سکیں گے ! مزید برآں سب جانتے ہیں کہ یہ ایٹمی صلاحیت بھی صرف ''ڈٹرنٹ'' ہی ہے یعنی صرف بھاری جارحیت کے خلاف ڈھال کا کام دے سکتی ہے۔ اسے خود بھارت پر حملہ کرنے کے لئے استعمال کرنے کا خیال جنت الحمقاء میں رہنے کے مترادف ہے۔ گویا نتیجے کے

اعتبار سے یہ جنگ کے آپشن کی نفی کے مترادف ہے !

رہا مسلمان ِ کشمیر کا سرفروشانہ اور بے مثال جہاد ِ حریت تو اس کے ضمن میں بھی جذبات سے ہٹ کر عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ کسی کھلم کھلا اور ٹھوس بیرونی

امداد کے بغیر آکر وہ اسے حکومت پاکستان کی صرف اخلاقی اور سفارتی مدد اور بعض نجی اداروں کی جانب سے چوری چھپے او وہ بھی اونٹ کے منہ میں زیرہ کے بقدر امداد کے بل پر کب تک جاری رکھ سکیں گے ؟ واقعہ یہ ہے کہ عوام کہ اس معاملہ میں بھی بہت حلقوں بالخصوص مذہبی گروہوں کی جانب سے عوام کو بہت بڑے بڑے مغالطے دیئے جارہے ہیں ۔ چنانچہ اولاً جہاد افغانستان کا حوالہ دیا جاتا ہے حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس معاملے میں ایک سپر پاور کی کھلم کھلا اعلانیہ اور فیصلہ کن مالی اور جنگی مدد حاصل تھی (جس کی بہتی گنگا م میں خود پاکستان کے بہت سے مقتدر افراد اور مذہبی جماعتوں نے خوب خوب ہاتھ دھوئے !) لہٰذا کشمیر کے معاملے میں افغانستان کا حلقہ قیاس مع الفاروق کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ثانیاً اس کے ضمن میں سورۂ نساء کی آیت ۷۵کا حوالہ بھی بہت شدّومد کے ساتھ دیا جاتا ہے یعنی

(وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾)

(اے مسلمانوں !) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور و مجبور مردوں عورتوں اور بچوں (کی مدد) کے لئے جنگ نہیں کرتے جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس حمایتی اور مددگار پیدا فرما !

لیکن اس حقیقت کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اس آیت کے مخاطب مدینہ منورہ کے مسلمان تھے جنہوں نے خود اپنے پورے معاشرے میں اللہ کے دین ِ حق کے عادلانہ نظام کو بالفعل قائم اور اس کی شریعت کے احکام کو بہ تمام وکمال نافذ کر دیا تھا ۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ایک جانب تاحال ہم کتاب و سنت کی کامل بالادستی کا قول ِ ثقیل زبانی کلامی طور پر بھی اس دور میں ادا نہیں کرسکے جبکہ ہمارے ملک میں نام نہاد اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت قائم تھی جس میں ملک کی تقریباً قابلِ لحاظ مذہبی جماعتیں شامل تھیں

اور اس حکومت کو پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت بھی حاصل تھی جس کے ذریعے دستور میں بآسانی مطلوبہ ترمیم کی جاسکتی تھی ۔ دوسری جانب خود ہمارے عوام کی عظیم اکثریت ایک طرف جاگیرداروں اور وڈیروں کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہی ہے تو دوسری طرف سودی معیشت کی پیدا کردہ شدید مہنگائی افراط ِ زر اور بے کاری کی آگ میں

جل رہی ہے اور تیسری جانب سیاسی عدم استحکام نے ملک کی سلامتی اور سالمیت کو مخدوش اور مہیب و ہولناک کرپشن اور کروڑوں اور اربوں کے غبن اور خرد برد نے ملک کو دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچادیا ہے ۔

ان حالات میں سورۂ النساء کی متذکرہ بالا آیت کے حوالے سے جہادِ کشمیر کا غلغلہ بلند کرنے والوں کو یا تو عوامی چندوں میں سے اپنے کمیشن کے حصول کا لالچ ہو سکتا ہے یا اوّلاً اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار میں شریعت کے بالفعل نفاذ اور پھر اپنے پورے ملک اور معاشرے میں اسلام کے نظام ، عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے تن من دھن قربان کرنے کا کھکھیڑ مول لئے بغیر ""ع

''کتنا حسین فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم !''

کے مصدق جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے بلند و بالا مرتبہ و مقام پر فائز ہونے کا حسین فریب کھانے کا شوق ہو سکتا ہے..... ورنہ ۔ ع۔

''پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی !''

کے مصداق کہاں سورۂ نساء کی اس آیت مبارکہ کے مخاطب اصحاب رسول(صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ و رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور کہاں ہم پاکستان مسلمان ! چہ نسبت خاک را با عالم پاک !

پاکستان اور بھارت کی کھلی جنگ یا مسلمانِ کشمیر کے مسلح جہادِ حریت کے بعد مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے دوسرا آپشن یا متبادل راستہ یہ ہے کہ یو این او کے ذریعے اور اس کی پینتالیس سال پرانی قراردادوں کے مطابق کشمیر پر استصواب کرانے کی کوشش کی جائے اور اس کے لئے خود بھی ایک جانب براہ راست دوبار یو این او کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے اور دوسری جانب اس کے ذیلی اداروں جیسے حقوقِ انسانی کے کمیشن وغیرہ کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو ہموار کر کے بھارت پر دباؤ بڑھایا جائے ۔

یہ راستہ نظری اعتبار سے تو سب سے سیدھا اور اس قضیے کے حل کے لئے بظاہر بالکل صراط مستقیم اور سواء السبیل کے مصداق نظر آتا ہے لیکن اب سے سے تین چار سال قبل تک تو اس کی راہ میں یو ایس ایس آر کا ویٹو بھی حائل اور امریکہ کی عدم دلچسپی بھی سدِراہ تھی لیکن لیکن اب چونکہ ایک جانب خلیج کی جنگ اور یو ایس ایس آر کی تحلیل بلکہ تجہیز و تکفین کے بعد ظاہر ویٹو کا خطرہ بھی ٹل گیا ہے اور دوسری جانب امریکہ نے گہری دلچسپی لینی شروع کر دی ہے لہٰذا اس کا منطقی نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہم ساری امیدیں اسی آپشن سے وابستہ کر دیں لیکن نئی عالمی صورت حال میں یہ آپشن ہمارے لئے نہایت مہلک اور خطرناک بن گیا ہے ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے کہ ۔ع۔

"جانتا ہے جس روشن باطن ایام ہے !"

کے مصداق عالمی حالات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے اب امریکہ کو "سول سپریم پاور آن ارتھ" یعنی روئے ارضی کی واحد عظیم ترین قوت کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور وہ اپنی اس حیثیت کو پوری طرح برئے کار لانے کے لئے نیو ورلڈ آرڈر کے قیام کے لئے سر توڑ کوشش کر رہا ہے جس کے لئے یو این او اس کے خانہ ساز بلکہ خانہ زاد ادارے کی حیثیت سے الہٰ کار کا کام کر رہا ہے ۔ اور چونکہ اب اس نیو ورلڈ آرڈر کے کلی تسلط کی راہ میں واحد عظیم طاقت جو کسی حد تک بالفعل سد راہ بنی ہوئی ہے وہ تو صرف چین ہے البتہ ایک غیر اہم درجہ میں شمالی کوریا بھی ہے اور سودے بازی اور بلیک میلنگ کی حد تک بھارت بھی پھر عوامی جذبات کے اعتبار سے پاکستان بھی کسی حد تک سد راہ ہے اور حکومت کی سطح پر فنڈا منٹلسٹ ہونے کے ناتے ایران بھی ۔ مزید برآں مستقبل کے اندیشوں کے اعتبار سے افغانستان بھی امریکہ کے لئے توجہ طلب ہے تو روسی ترکستان کی حال ہی میں آزاد ہونے والی مسلم ریاستیں بھی لہٰذا امریکہ کو اس پورے علاقے میں پولیس مین کا کردار ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے اسرائیل کی اشد ضرورت ہے ! (۱) _____ دوبارہ ذہن میں تازہ کر لیں کہ یہ تحریر ۱۹۹۲ ء کی ہے ۔

اس تناظر میں اندھے کو بھی نظر آسکتا ہے کہ ؎

الٰہی خیر میرے آشیاں کی
زمین پر نگاہیں ہیں آسمان کی

کے مصداق چچا سام کی نظریں کشمیر پر مرکوز ہیں کہ اسے بھارت اور پاکستان دونوں سے واگزار کرا کے یا تو ایسی آزادی عطا کردی جائے جو ؎

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے !

کی مصداق۔ کامل ہو ۔ یا انتداب کے نام سے کشمیر کے "میر" یو این او "کی زلفوں کا اسیر بنا دیا جائے ۔ اور اس طرح مشرقی ایشیاء کے عین قلب میں ایک دوسرا "اسرائیل" قائم کر دیا جائے ۔ جہاں سے بیک وقت چین بھارت پاکستان افغانستان ایران اور ترکستان سب کو کنٹرول کیا جاسکے ۔

کشمیر کے بارے میں امریکہ یہ عزائم اگرچہ چند ماہ قبل امریکہ کی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیا مسز رابن رافیل کے بیان دہی سے طشت از بام ہو گئے تھے تاہم اس سلسلے میں تفصیلی حقائق حال ہی میں بھارت کی دفاعی ریسرچ ٹیم کے سربراہ میجر جنرل (ریٹارڈ) افسر کریم کی مرتب کردہ رپورٹ کے ذریعے منظر عام پر آئے ہیں جس کے مطابق امریکہ کے خود مختار کشمیر کے اس منصوبے میں مقبوضہ کشمیر اوراور آزاد کشمیر کے علاوہ لداخ کے کچھ علاقے بھی شامل ہیں اور یہ کہ اس سلسلے میں امریکہ نے بھارتی رائے بھجوا دی ہے ! چنانچہ فوری طور پر امریکہ کے ان ماہرین کا یہ کارنامہ بھی منصۂ شہود پر آچکا ہے کہ "آل پارٹیز حریت کانفرنس" کے نام سے مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں اور گوریلا گروپوں کا جو مشترکہ پلیٹ فارم وجود میں آیا ہے اس کے دستور میں آزاد و خود مختار کشمیر کو بھی ایک متبادل آپشن کی حیثیت سے شامل کر لیا ہے ! مزید برآں ہوا کے نئے رخ کا اندازہ درگاہ حضرت بال سرینگر میں ۳۲ دن

محصور رہنے والے کشمیر لیڈر اور حریت پسند تنظیم آپریشن بالاکوٹ کے کمانڈر انچیف عمر خالد کے اس انٹرویو کے تیکھے انداز سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے جو روزنامہ جنگ لاہور کی ۱۱ مئی کی اشاعت میں شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ کشمیری پاکستان سے مایوس ہو گئے ہیں اور مقبوضہ کشمیر میں خود مختاری کا نظریہ فروغ پانے لگا ہے اور پاکستان اقوام متحدہ کی قرار دادوں پر عمل نہیں کرا سکتا تو اس سے الحاق کے لئے قربانیاں دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے ! وقس علی ذلک ! جس پر حزب المجاہدین کے سپریم کمانڈر غلام محمد صفی صاحب کو بھی کچھ بے بسی کے انداز سے کہنا پڑا ! بہر حال ع

''قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا !''

کے مطابق اس سے حالات کی سنگینی کا پورا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس سے صورتِ حال میں عافیت اسی میں ہے کہ مسئلہ کشمیر کے حل اس دوسرے اور بظاہر سے سیدھے آپشن کا خیال قطعی طور پر ذہن سے نکال دیا جائے ۔ ورنہ استصواب رائے کے لئے بھارت اور پاکستان دونوں کی افواج کے دونوں کشمیروں سے انخلاء کے بعد ظاہر ہے کہ کشمیر کا مستقبل کلی طور پر یو این او کے رحم و کرم پر ہو گا جس کے پردے میں امریکہ اس بندر کا روایتی کردار بآسانی کر سکے گا جس نے بلیوں کے مابین روٹی کی منصفانہ

تقسیم کے بہانے پوری روٹی خود ہضم کر لی تھی جبکہ دونوں بلیاں منہ دیکھتی رہ گئیں تھیں ! گویا مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہمیں تھرڈ آپشن کو اختیار کرنا ہوگا پاکستان میں سے کسی کے ساتھ الحاق کے ساتھ آزاد و خود مختار کشمیر کا تھرڈ آپشن نہیں بلکہ پاک بھارت جنگ یا یو این او کی ثالثی کی بجائے پاکستان اور بھارت براہ راست مذاکرات کے ذریعے مفاہمت کی کوشش کا تھرڈ آپشن ہو ! جس کے لئے دونوں ملکوں کے اصحابِ دانش و بینش کی حد تک تو زمین بہت کچھ ہموار ہو چکی ہے لیکن دونوں ملکوں میں قائم انگریز کا مورثی پارلیمانی نظام سب سے بڑی سد راہ ہے ۔ اس لئے کہ حکومتیں اگر مفاہمت اور اصلاحِ حال پر آمادہ ہوتی ہیں تو دونوں ملکوں کی اپوزیشن

پارٹیاں سینتالیس سال کے دوران سرحد کے دونوں جانب عوام کی راسخ ہوجانے والی اجتماعی نفسیات کو مشتعل کر کے کسی اقدام کو ناممکن بنادیتی ہے ہیں ! جس کا سب سے نمایاں مظہر یہ ہے کہ متعدد دو طرفہ مسائل کے ضمن میں معاہدات کی جملہ تفاصیل طے ہو جانے اور ان پر جانبین کے پوری طرح متفق ہو جانے کے باوجود ان پر دستخطوں کی نوبت نہیں آپاتی !

کاش کہ پاکستان اور بھارت دونوں کے عوام و خواص سب کو اس صورتِ حال کا صحیح صحیح اندازہ ہو جائے اور یہ دونوں ملک سو سالہ ہندو مسلم منافرت اور سینتالیس سالہ پاک بھارت مخاصمت کی دیوار برلن میں کوئی فیصلہ کن شگاف ڈالنے کا انقلابی قدم اٹھا سکیں ۔

ضمیمہ

مسئلہ کشمیر..... ایک قابل عمل فارمولا

اقتباس از پریس کانفرنس ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۵ء

کشمیر کے خوفناک ترین مسئلے کے حل کے ضمن میں میری رائے یہ ہے کہ :

(۱)۔ اسے امریکہ یا uno کے ذریعے حل کرانے کی کوشش ترک کر دی جائے اور چچا سام کو کم از کم اس مسئلے میں سلام کہہ دیا جائے اور یو این او سے بھی اپنا پاندان اٹھالے جانے کی درخواست کی جائے۔
(۲)۔ اس حل کا شملہ معاہدے کے مطابق بھارت کے ساتھ براہ راست دو طرفہ گفتگو کے ذریعے جلد از کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر کر لیا جائے ۔ اور اس ضمن میں ایران اور چین کی خیر سگالی کو بروئے کار لایا جائے ۔
(۳)۔ اسے ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا قرار دیتے ہوئے اور پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو مد نظر رکھتے ہوئے اس طرح حل کیا جائے کہ:
(ا) آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کو پاکستان میں ضم کر لیا جائے اور صوبوں کی حیثیت دے دی جائے ۔
(ب) اس طرح جموں اور لداخ کے غیر مسلم اکثریت والے علاقوں کو بھارت اپنی ریاستیں بنالے اور
(ج) وادی کی حد تک بھارت اور پاکستان اپنے ہی اہتمام میں ریفرنڈم کرلیں اور صرف وادی کی حد تک بھارت اور پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کے ساتھ ساتھ آزادی کا تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے ۔ اس شرط کے ساتھ کہ داخلی خود مختار تو پوری حاصل ہو لیکن خارجہ پالیسی اور دفاع کے معاملات پر بھارت اور پاکستان کی مشترکہ نگرانی ہو ۔
اگر ایسا نہ کیا گیا عنقریب بھارت اور پاکستان دونوں روایتی بلیوں کے مانند دیکھتے رہ جائیں گے اور عظیم تر کشمیر کی پوری روٹی کو عالمی یہودی استعمار کا بندر ہڑپ کر جائے گا ۔ اعاذنا من اللہ من ذالک !

اقتباس از خطاب جمعہ مورخہ 4 فروری 2000ء

حال ہی میں امریکہ کہ ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک تھنک ٹینک نے جس میں یہودیوں کی اکثریت شامل ہے مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں ایک تجویز دی جس میں کہا گیا ہے کہ جموں اور لداخ کا علاقہ ہندوستان کو دے دیا جائے جبکہ آزاد کشمیر کو پاکستان کے پاس رہنے دیا جائے اور وادی کشمیر کو آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے ۔ ہمیں اس رائے سے محض اس لئے اختلاف نہیں کرنا چاہئے کہ یہ یہودیوں کے ذہن کی اختراع ہے البتہ میری رائے میں اس تجویز کا آدھا حصہ قابل عمل ہے اور آدھا حصہ یعنی غلط ہے ۔ اس فارمولے میں خامی یہ ہے کہ وادی کو اگر امریکہ یا یو این او کے رحم کرم پر آزادی دے دی گئی تو اندیشہ ہے کہ ہارٹ آف ایشیا میں ایک نیا اسرائیل قائم ہو جائے گا ۔

اگر چہ اس سے پہلے امریکہ کی سکیم یہ تھی کہ پاکستان ہندوستان اور چین سے کشمیر کے سارے علاقے واپس لے کر یہاں ایک آزاد ریاست کی صورت میں امریکی اڈہ قائم کیا جائے لیکن اللہ کا کرم ہوا اور بعض اطلاعات کے مطابق آئی ایس آئی نے امریکہ کی یہ سکیم ناکام بنادی ہے ۔ موجودہ صورتِ حال میں اس کا درست حل یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کو تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کرتے ہوئے بھارت سے ملحقہ ہندو اکثریتی علاقوں یعنی جموں اور لداخ کو بھارت میں ضم کر دیا جائے اور اسی فارمولے کے تحت موجودہ آزاد کشمیر کو وادی سمیت پاکستان کا حصہ قرار دیا جائے ۔ تاہم مناسب ہو گا اس سارے عمل میں یو این او یا امریکہ کی ثالثی قبول نہ کی جائے بلکہ بھارت اور پاکستان دونوں باہمی مفاہمت سے یا پھر چین اور ایران کو ثالث مان کر اس مسئلے کو حل کریں تاکہ کوئی بیرونی طاقت اس صورت ِ حال سے فائدہ اٹھا کر کشمیر میں قدم نہ جمانے پائے

دار اصل بھارت کی کسی بھی حکومت کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ عوام کے جذبات کے برعکس کوئی فیصلہ کر سکے گا لہٰذا یہ معاملہ تبھی حل ہو سکتا ہے جب بھارت اور پاکستان میں موجود تناؤ ختم ہو اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا ہو ۔ ویسے بھی بھارت نے گزشتہ دس سال کے عرصہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ فوج کشمیر میں رکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے وسائل و ذرائع میں رہتے ہوئے اس مسئلے سے لمبے عرصے تک نبرد آزما رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ جبکہ ہماری اقتصادی بد حالی کی ایک اہم وجہ کشمیر بھی ہے جس کے باعث ہم بھارت کے ساتھ کم و بیش ہر وقت ایک سرد جنگ کی کیفیت میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ مسئلہ جتنی جلدی حل ہو سکے اتنا ہی بہتر ہو گا ۔ چنانچہ اس مسئلے کے حل کی ایک کم تر صورت یہ بھی ہو سکتی ہے جسے بھارتی عوام حکومت افہام و تفہیم کے بعد قبول کرنے پر تیار ہو سکتے ہیں ۔ یعنی جموں اور لداخ بھارت میں ضم ہو جائیں اور موجودہ آزاد کشمیر مستقلاً پاکستان کا حصہ بن جائے اور صرف وادی کی حد تک استصواب کرا لیا جائے کہ وہ بھارت کے ساتھ ضم ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ ۔ اور اگر وادی کے لوگ تھرڈ آپشن کے حق میں فیصلہ دیں تو صرف وادی کو اس شرط پر آزاد ریاست کا درجہ دیا جائے کہ اس علاقے کو کسی بیرونی طاقت کا اڈہ نہیں بننے دیا جائے گا۔

اقتباس از بیان پریس کانفرنس 10 جولائی 2001ء

میری عرصہ دراز سے یہ پختہ رائے ہے کہ .....

(۱) کشمیر کے مسئلے کو تقسیم ہند کے متفق علیہ فارمولے کی روح کے مطابق اسی کے ایجنڈے کی ایک بقیہ شق کی حیثیت سے حل کیا جائے ۔۔۔۔!

(۲) یعنی یہ کہ اصولی اعتبار سے تو مسلم اور غیر مسلم آبادی کی اکثریت کی بنیاد پر جس طرح نہ صرف یہ کہ پورا ہندوستان تقسیم ہوا بلکہ صوبے بھی تقسیم ہوئے یہاں تک بعض اضلاع بھی تقسیم ہوئے اسی طرح کشمیر کے اس پورے مسلم اکثریت کے ان علاقوں کو جو بھارت کے ساتھ ملحق ہوں بھارت میں ضم کردیا جائے ۔ گویا صرف لداخ اور جموں کے وہ اضلاع جن میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو بھارت میں مدغم ہو جائیں اور بقیہ پورا بھارتی کشمیر پاکستان کے حوالے کر دیا جائے .....

(۳) تاہم چونکہ بھارت کی رائے عامہ کے لئے اتنی بڑی قربانی کو ہضم (Reconcile) کرنا تقریباً ناممکن ہے لہٰذا قابل قبول عمل حل یہ ہے کہ (۱) آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان حسب سابق پاکستان کے پاس رہیں اور انہیں باضابطہ صوبوں کی حیثیت دے کر پاکستان میں شامل کر لیا جائے ۔ (۲) اسی طرح لداخ اور جموں کے صرف بھارت سے ملحق غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت میں ضم کر دیئے جائیں اور (۳) صرف وادی کشمیر اور اس سے ملحق لداخ اور جموں کے مسلم اکثریت کے اضلاع میں بھارت اور پاکستان اپنے مشترکہ اہتمام میں رائے شماری کرا لیں اور اس میں یا بھارت یا پاکستان کے ساتھ ساتھ خود مختاری کا آپشن بھی شامل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ چونکہ نصف صدی کے دوران وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ چکا ہے اور نہ صرف بھارت کے مقبوضہ کشمیر میں بلکہ آزد کشمیر میں بھی ایک مضبوط لابی بھارت اور پاکستان دونوں سے علیحدہ کے قیام کے حق میں پیدا ہو چکی ہے جن کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیئے ۔ لیکن یہ آپشن اس شرط کے ساتھ مشروط ہونا چاہیئے کہ داخلی طور پر پاکستان کا مشترکہ کنٹرول ہوگا تاکہ دنیا کی کوئی اور تیسری طاقت وہاں قدم نہ جما سکے ! ..... مزید برآں یہ کہ بھارت اور پاکستان دونوں ممالک کے شہریوں کو اس آزاد وادی میں آمد رفت کا بغیر ویزا حق حاصل ہو۔ اور وادی کے لوگ بھی دونوں ملکوں میں آزادانہ آمدروفت رکھ سکیں ۔

میری تجویز کے اس حصے کے ضمن میں بھارت کے ساتھ سید شہاب الدین صاحب نے انڈورا کی مثال پیش کی ہے جو سپین اور فرانس کے درمیان سلسلہ کوہ پائرینیز کے دامن میں ایک چھوٹا سا ملک ہے جہاں صدہا برس سے فرانس اور سپین کے نمائندگان کی مشترکہ نگرانی میں آزاد حکومت قائم ہے ۔

امیر تنظیم اسلامی کے نام بھارت کے معروف سیاسی رہنما سید شہاب الدین کے تائیدی مراسلے کا عکس

اینڈورا۔ جس پر سپین اور فرانس کی مشترکہ حکمرانی ہے۔

اینڈروا (Andorra) یورپ میں ایک چھوٹا سا پہاڑی علاقہ ہے جس کے جنوب مغرب میں سپین اور شمال مشرق میں فرانس ہے۔ اس علاقہ پر ان دونوں ممالک کی مشترکہ حکمرانی ہے۔ صدر مقام انڈورا لاویلا (Andorra La Vella) ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے Charlemagne نے ۸۰۳ء میں مسلمانوں سے آزاد کرایا اور اس کے بیٹے لوئس اول نے یہاں کے باشندوں کو پروانۂ آزادی دیا تھا۔ بعد میں فرانسیسی اور ہسپانوی شہزادوں کے مابین حق ملکیت کے تنازعہ پر تیرہویں صدی عیسوی سے یہ علاقہ دو مالکوں کا باج گزار چلا آرہا تھا، یورپ میں جاگیردارانہ نظام حکومت کی یہ آخری نشانی ۱۹۹۳ء تک قائم رہی، جس کے بعد ایک آئین کے ذریعہ دہرے مالکان کے اختیارات بہت حد تک کم کرکے وہاں کے عوام پر مشتمل انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سے ماخوذ)